تنظیم اسلامی کا ترجمان

ہفت روزہ

ندائے خلافت

لاہور

10

تنظیم اسلامی کا پیغام
خلافت راشدہ کا نظام

www.tanzeem.org

مسلسل اشاعت کا
30 واں سال

4 تا 10 شعبان المعظم 1443ھ / 8 تا 14 مارچ 2022ء

قرآن کی تکذیبِ حالی

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿بِئْسَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ؕ﴾ (الجمعہ:5)

''بُری ہے مثال اُس قوم کی جنھوں نے آیاتِ الٰہی کو جھٹلایا۔''

یہاں لفظ ''تکذیب'' بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ تکذیب قول سے بھی ہوسکتی ہے اور عمل سے بھی۔ یعنی تکذیب باللسان بھی ہوسکتی ہے اور بالحال بھی۔ یہ بھی تکذیب ہی کی ایک صورت ہوتی اگر بنی اسرائیل زبان سے صاف کہہ دیتے کہ تورات اللہ کی کتاب نہیں ہے، لیکن تاریخ کی گواہی یہ ہے کہ بنی اسرائیل نے اس معنی میں تورات کی تکذیب کبھی نہیں کی۔ ہاں تکذیب عملی کے وہ ضرور مرتکب ہوئے۔ وہ تکذیب عملی کہ جس کا نقشہ بدقسمتی سے آج امت مسلمہ پیش کررہی ہے کہ بجائے قرآن کو اپنا پیشوا، رہنما اور مشعل راہ بنانے کے امت کی عظیم اکثریت نے اسے طاقِ نسیاں پر رکھ چھوڑا ہے۔ قرآن نے اس طرزِ عمل کو تکذیب کے لفظ سے موسوم کیا ہے: ﴿بِئْسَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ؕ﴾ یہ اللہ کی آیات کی تکذیب نہیں تو اور کیا ہے! زبان سے چاہے قرآن مجید پر کتنا ہی ایمان کا دعویٰ کیا جائے، اگر قرآن مجید کو ہم نے اپنا امام نہیں بنایا، قرآن مجید کی رہنمائی کو عملاً اختیار نہیں کیا، قرآن مجید کے عطا کردہ ضابطے اور قانون کو نافذ نہیں کیا، اس کی تعلیمات کے مطابق اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی کو استوار نہیں کیا تو گویا کہ اپنے عمل سے ہم قرآن کی تکذیب کررہے ہیں۔ یہ تکذیب حالی ہے۔

انقلابِ نبوی کا اساسی منہاج
ڈاکٹر اسرار احمدؒ

اس شمارے میں

اگر امن چاہتے ہو تو جنگ کے لیے.....

عقلمند کون؟

امیر سے ملاقات

8 مارچ کا عورت مارچ اور.....

اگر خون کے چھینٹے دیکھیں.....

Western Civilization:...

رات کی عبادت گزاری

سُورۃُ الفُرقان — بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ — آیت : 64

وَالَّذِیۡنَ یَبِیۡتُوۡنَ لِرَبِّہِمۡ سُجَّدًا وَّقِیَامًا ﴿۶۴﴾

آیت ۶۴: ﴿وَالَّذِیۡنَ یَبِیۡتُوۡنَ لِرَبِّہِمۡ سُجَّدًا وَّقِیَامًا ﴿۶۴﴾﴾ ’’اور وہ لوگ راتیں بسر کرتے ہیں اپنے رب کے حضور سجدے اور قیام کرتے ہوئے۔‘‘

جہاں تک پانچ نمازوں کا تعلق ہے وہ تو فرائض میں شامل ہیں۔ ان نمازوں کی پابندی بندۂ مؤمن کی سیرت کی بنیاد ہے۔ چنانچہ سورۃ المؤمنون کے آغاز میں جب بندۂ مؤمن کے کردار کی اساسات پر بات ہوئی تو وہاں نمازِ پنج گانہ کی محافظت کا ذکر ہوا: ﴿وَالَّذِیۡنَ ہُمۡ عَلٰی صَلَوٰتِہِمۡ یُحَافِظُوۡنَ ﴿۹﴾﴾ لیکن یہاں چونکہ اللہ کے ان خصوصی بندوں کا ذکر ہو رہا ہے جنہیں اللہ سے دوستی کا شرف اور اس کا قرب نصیب ہو چکا ہے‘ اس لیے یہاں جس نماز کا ذکر ہوا ہے وہ نماز بھی خصوصی ہے یعنی نمازِ تہجد۔ قیام اللیل راتوں کو جاگنے کا عمل ہے جو رضائے الٰہی کی خاطر رات کے کسی حصہ میں نوافل ادا کرنے، تلاوت قرآن پاک اور ذکر و اذکار میں مصروف رہنے، اپنے گناہوں پر نادم و شرمندہ ہو کر آنسو بہانے اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت و بندگی میں حصولِ حلاوت کے لیے سرانجام دیا جاتا ہے۔ اسے عرفِ عام میں شب بیداری بھی کہتے ہیں۔

رات کی تنہائی میں اللہ تعالیٰ کو یاد کرنا بڑی اہمیت و فضیلت کا حامل ہے۔ بندہ اس وقت اپنے مالک حقیقی کو پکارتا ہے جب سارا عالم سو رہا ہوتا ہے۔ وہ اپنے اللہ تعالیٰ کو منانے کے لیے اپنی راحت و آرام قربان کر دیتا ہے۔ وہ کبھی قیام کی حالت میں اللہ تعالیٰ کو یاد کرتا ہے تو کبھی رکوع اور سجدے میں جا کر اپنے عجز و انکسار کا اظہار کرتا ہے۔ اپنے بندے کی یہ ادا اللہ رب العزت کو بے حد پسند ہے۔ وہ ایسے شب زندہ دار بندوں پر اپنی انوارات کی بارش نازل فرماتا ہے۔ اور اپنے مقبول بندوں میں شامل فرماتا ہے۔

درس حدیث

تہجد پڑھنے والوں کی فضیلت

عَنۡ أَسۡمَاءَ بِنۡتِ یَزِیۡدَ رضی اللہ عنہا عَنۡ رَسُوۡلِ اللّٰہِ ﷺ قَالَ: ((یُحۡشَرُ النَّاسُ فِیۡ صَعِیۡدٍ وَاحِدٍ یَوۡمَ الۡقِیَامَۃِ فَیُنَادِیۡ مُنَادٍ فَیَقُوۡلُ أَیۡنَ الَّذِیۡنَ کَانَتۡ تَتَجَافٰی جُنُوۡبُہُمۡ عَنِ الۡمَضَاجِعِ؟ فَیَقُوۡمُوۡنَ وَہُمۡ قَلِیۡلٌ فَیَدۡخُلُوۡنَ الۡجَنَّۃَ بِغَیۡرِ حِسَابٍ ثُمَّ یُؤۡمَرُ بِسَائِرِ النَّاسِ إِلَی الۡحِسَابِ)) (البیہقی فی شعب الایمان)

حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ’’لوگ قیامت کے دن ایک میدان میں اکٹھے کیے جائیں گے اور ایک منادی اعلان کرے گا، جن لوگوں کی کروٹیں (اپنے رب کی یاد میں) بستروں پر نہ لگتی تھیں، وہ کہاں ہیں؟ وہ کھڑے ہو جائیں گے، ان کی تعداد بہت کم ہوگی اور وہ جنت میں بغیر حساب و کتاب کے داخل ہو جائیں گے پھر باقی (بچ جانے والے) لوگوں کے حساب و کتاب کا حکم جاری کر دیا جائے گا۔‘‘

اداریہ
ایوب بیگ مرزا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اگر امن چاہتے ہو تو جنگ کے لیے تیار رہو

ایک دانشور کا قول ہے ''اگر امن چاہتے ہو تو جنگ کے لیے تیار رہو'' انسانی تاریخ سینکڑوں مرتبہ اس قول کی عملی طور پر توثیق کر چکی ہے اس حوالے سے ہم ماضی بعید کو نہیں کریدتے صرف ماضی قریب اور حالیہ واقعات سے اِس قول پر مہر تصدیق ثبت کرنے کی کوشش کریں گے کہ جو قومیں جنگ کی تیاریوں سے اعراض کرتی ہیں درحقیقت وہ امن کو تباہ و برباد کرنے کا باعث بنتی ہیں۔ ذرا سوچیے اگر پاکستان ایٹمی اسلحہ سے لیس نہ ہوتا تو کیا ممبئی کے فالس فلیگ حملہ کے بعد بھارت محض غصہ سے بھرے ہوئے چند سفارتی بیانات پر اکتفا کرتا؟ پھر یہ کہ پلواما میں بھارتی ڈراما کے نتیجہ میں جو درجنوں بھارتی فوجی جہنم واصل ہوئے تھے، اس پر محض ایک جھوٹی ایئر سٹرائیک پر اکتفا کرتا اور بعد ازاں 27 فروری 2019ء کو فضائی جنگ میں اُس کو جو ذلت اُٹھانا پڑی تھی اس پر دانت پیس کر عملاً خاموش بیٹھا رہتا۔ اِس حوالے سے کسی دوسری رائے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، یقیناً بھارت خطے کو جنگ کے شعلوں میں دھکیل دیتا لیکن پاکستان کے ایٹمی قوت نے اُسے بے بس کر رکھا تھا۔ لہٰذا پاکستان کے وہ نام نہاد امن پسند جو پاکستان کو ایٹمی اسلحہ سے لیس کرنے پر تنقید کرتے رہے ہیں، دیانتداری سے غور کریں کہ موجودہ حالات کے پس منظر میں کیا غیر ایٹمی پاکستان اپنا وجود قائم رکھ سکتا تھا؟ یوکرائن کو ایٹمی ہتھیاروں سے محروم کرنے میں امریکہ، برطانیہ اور روس تینوں کا کردار ہے، اس لیے کہ ایک طرف وہ اگر روس کا ہمسایہ ہے تو دوسری طرف وہ یورپ میں واقع ہے۔ درحقیقت یہ تینوں بڑی طاقتیں نہیں جانتی تھیں کہ کل کلاں یوکرائن کس کا دوست اور کس کا دشمن ہوگا۔ لہٰذا تینوں نے اُسے ایٹمی لحاظ سے غیر مسلح کر دیا۔ اگر یوکرائن آج بھی ایٹمی قوت ہوتا تو روس کے لیے اُس پر حملہ کرنا آسان نہ ہوتا۔ یوکرائن ایٹمی صلاحیت سے دستبردار ہو کر جو نتائج بھگت رہا ہے اور عالمی سطح پر کیا اثرات مرتب ہوں گے، اُس کی تفصیل کچھ یوں ہے: 24 فروری 2022ء کو دنیا نے صبح کی تو معلوم ہوا کہ روس نے یوکرائن پر حملہ کر دیا ہے۔ 21 فروری کو صدر پیوٹن نے یوکرائن سے علیحدگی اختیار کرنے والے دو علاقوں یعنی عوامی جمہوریہ ڈونسک اور عوامی جمہوریہ لوہانسک کو تسلیم کر لیا۔ یہ دونوں علاقے یوکرائن کے ڈون باس کا حصہ ہیں۔ روسی صدر نے یوکرائن کی ان سابقہ ریاستوں میں ایک خصوصی آپریشن شروع کرنے کا اعلان کیا جسے مغرب نے جنگ قرار دیا اور روس اور بیلاروس کی افواج نے تین اطراف سے یوکرائن پر حملہ کر دیا۔ یعنی مشرق میں ڈونس باس کے علاقے سے جنوب میں بحیرہ اسود اور بحیرہ ایزوف کی طرف سے جہاں کریمیا واقع ہے۔ شمال میں بیلاروس کی جانب سے جہاں سے یوکرائن کے دارالحکومت کیف پر زد پڑتی ہے۔ روس نے حملہ کر کے پہلے یوکرائن کے اسٹریٹیجک ملٹری بیسز اور انفراسٹکچر کو تباہ کر دیا تاکہ جوابی کارروائی نہ ہو سکے۔ پھر یوکرائن کے شہروں میریوپول، دارالحکومت کیف، ڈون باس اور خارکیف کو

ہفت روزہ
لاہور
ندائے خلافت
تا خلافت کی بنا دُنیا میں ہو پھر اُستوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر
تنظیم اسلامی کا ترجمان نظامِ خلافت کا نقیب
بانی: اقتدار احمد مرحوم
4 تا 10 شعبان 1443ھ جلد 31
8 تا 14 مارچ 2022ء شمارہ 10
مدیر مسئول: حافظ عاکف سعید
مدیر: ایوب بیگ مرزا
ادارتی معاون: فرید اللہ مروت
نگران طباعت: شیخ رحیم الدین
پبلشر: محمد سعید اسعد، طابع: رشید احمد چودھری
مطبع: مکتبہ جدید پریس، ریلوے روڈ، لاہور
مرکزی دفتر تنظیم اسلامی
''دارالاسلام'' ملتان روڈ چوہنگ لاہور۔ پوسٹل کوڈ 53800
فون: 78-35473375 (042)
E-Mail:markaz@tanzeem.org
مقام اشاعت: 36-کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور۔ 54700
فون: 03-35869501 فیکس: 35834000
publications@tanzeem.org
قیمت فی شمارہ 20 روپے
سالانہ زرِ تعاون
اندرونِ ملک ...... 800 روپے
بیرونِ پاکستان
امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا وغیرہ (14300 روپے)
انڈیا، یورپ، ایشیا، افریقہ وغیرہ (10800 روپے)
ڈرافٹ، منی آرڈر یا پے آرڈر
''مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن'' کے عنوان سے ارسال کریں۔ چیک قبول نہیں کیے جاتے
Email:maktaba@tanzeem.org
''ادارہ'' کا مضمون نگار حضرات کی تمام آراء سے پورے طور پر متفق ہونا ضروری نہیں

نشانہ بنایا۔ اس کارروائی میں ڈون باس کے علیحدگی پسندوں کے علاوہ کریمیا اور چیچنیا کی ملیشیا نے بھی روسی فوج کا ساتھ دیا۔ یوکرائن پر روسی حملے کے خلاف مغربی لیڈروں کے مذمتی بیانات سامنے آئے اور نیٹو وغیرہ نے بھی مذمت کی۔ روس پر سخت ترین پابندیاں عائد کی گئیں۔ یہ پابندیاں معیشت، کاروباری شخصیات، اہم عہدیداروں، سوئفٹ بینکنگ سسٹم، گیس معاہدوں، دفاعی معاملات کے حوالے سے ہیں۔ اس کے علاوہ روس کا مکمل فضائی بائیکاٹ بھی سامنے آیا۔ ایک بین الاقوامی فوج بنانے کی بات بھی سامنے آنا شروع ہوگئی ہے جو یوکرائن کی مدد کرے گی اور اس بین الاقوامی فوج کو فنڈنگ اور اسلحہ وغیرہ مغربی عالمی طاقتیں دیں گی۔ یورپی عوام کو عام اجازت دے دی گئی ہے کہ وہ اس فوج میں شامل ہوکر روس کے خلاف جنگ کریں اور بعض اطلاعات کے مطابق مغربی ممالک کے بعض ’’فوجیوں‘‘ نے بھی اِس کا حصہ بننے کا اعلان کیا ہے۔ لیکن باقاعدہ طور پر کسی بھی مغربی ملک نے روس کے خلاف یوکرائن کی مدد کے لیے فوج نہیں بھیجی۔

یوکرائن کے صدر نے عوام میں اسلحہ تقسیم کرنے کی اجازت دے دی ہے۔ یوکرائن کی نیو نازی پارٹیاں صدر زیلنسکی کی زبردست حمایت کر رہی ہیں۔ درحقیقت یہ سپورٹ 2014ء سے اب تک جاری ہے۔ روسی جارحیت کے خلاف اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل کا اجلاس بلایا گیا جس میں روس نے ویٹو کر دیا جبکہ چین، بھارت اور متحدہ عرب امارات نے غیر جانبداری کا فیصلہ کیا۔ روسی حملے کے خلاف مغرب کی طرف سے بھرپور میڈیا جنگ جاری ہے۔ مشرقی یورپ میں نیٹو کے اڈوں، میزائل سسٹمز اور فوجیوں کی تعداد میں اضافہ کر دیا گیا ہے۔ روس نے نیٹو کے بیانات اور ردِعمل کے نتیجہ میں اپنی جوہری فورسز کو ہائی الرٹ کر دیا ہے جو دنیا کے لیے انتہائی خطرناک ثابت ہوسکتا ہے۔ دوسری طرف ترکی نے 1936ء کے مانٹرو کنونشن کو مکمل طور پر لاگو کرنے کا فیصلہ کرلیا ہے۔ جس کے مطابق آبنائے باسفورس کا کنٹرول ترکی سنبھالے گا۔ ترکی کی طرف سے یوکرائن کو جنگی اسلحہ فراہم کرنے کا بھی عندیہ دیا گیا ہے۔ دوسری طرف روس اور یوکرائن کے اعلیٰ سطحی مذاکرات بھی یوکرائن اور بیلاروس کے باڈر کے علاقے میں شروع ہوچکے ہیں۔ ان کا نتیجہ کیا نکلے گا؟ کیا روس جنگ بندی کر دے گا؟ کیا فوجیں واپس بلائے گا؟ کیا روس پر مغرب کی پابندیاں ختم ہو جائیں گی؟ اس حوالے سے ابھی حتمی بات کہنا ممکن نہیں لیکن بظاہر یہ معاملہ مزید بگڑتا نظر آ رہا ہے۔

تاریخی طور پر دیکھا جائے تو گزشتہ کئی صدیوں سے یوکرائن روس کا حصہ ہی رہا ہے چاہے بالشویک انقلاب سے پہلے کا دور ہو یا بالشویک انقلاب کے بعد سوویت یونین کا دور ہو۔ یہاں تک کہ 1989ء میں سوویت یونین کو افغانستان میں شکست ہوئی اور 1991ء میں سوویت یونین ٹکڑوں میں تحلیل ہوگیا۔ جس کے نتیجے میں نئے ممالک وجود میں آگئے جن میں مشرق میں وسط ایشیائی ریاستیں شامل ہیں جبکہ مغرب میں یوکرائن، بیلاروس، جارجیا، وغیرہ نمایاں ہیں۔ پولینڈ کی اہمیت اس لیے بھی زیادہ ہے کہ وہ روس کے بالکل قریب ہے۔ سوویت یونین کی شکست کے بعد روس کافی کمزور ہوگیا تھا۔ اس موقع سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے امریکہ اور یورپ نے روس سے علیحدہ ہونے والی ان ریاستوں کو فنڈنگ شروع کی اور اسلحہ بھی دیا جس کی وجہ سے یہ ریاستیں معاشی، سیاسی اور عسکری سطح پر مغرب زدہ ہونا شروع ہوگئیں۔ امریکہ اور یورپی ممالک نے یوکرائن سمیت روس سے ٹوٹنے والی یورپی ریاستوں کو نیٹو میں شامل کرنے کا فریم ورک بھی طے کرنا شروع کر دیا حالانکہ امریکہ اور یورپ کا روس سے وعدہ تھا کہ نیٹو ایک انچ بھی مشرقی سمت میں پیش رفت نہیں کرے گا۔ لیکن امریکہ اور یورپ نے وعدہ خلافی کرتے ہوئے ایک ایک کر کے مشرقی یورپ کے تمام ممالک کو نیٹو کا حصہ بنانا شروع کیا اور روس کے خلاف حصار بنانا شروع کر دیا۔ چنانچہ 1994ء میں یوکرائن نیٹو فریم ورک کا حصہ بن گیا اور 2013ء تک اس کا حصہ رہا۔ دوسری طرف سوویت یونین کی شکست کے بعد روس بہت کمزور تھا یہاں تک کہ اس نے نیٹو کا حصہ بننے کی خواہش کا برملا اظہار کیا لیکن امریکہ اور یورپ نہیں مانے۔ پھر 2000ء کے بعد پیوٹن کے دور میں روس کی نشاۃ ثانیہ کا آغاز ہوگیا۔ چنانچہ 2008ء میں روس نے دوبارہ جارحانہ حکمت عملی کا آغاز کیا اور جارجیا کے دو علاقوں پر قبضہ کرلیا۔ 18 روزہ جنگ کے بعد اگرچہ سیز فائر ہوگیا لیکن ابھی بھی 20 فیصد علاقہ روس کے قبضے میں ہے۔ اسی طرح روس نے جارجیا کا مشرقی یورپ کی اِن ریاستوں میں بھی اپنا اثر رسوخ دوبارہ بڑھانا شروع کیا جو سوویت یونین سے علیحدہ ہوئی تھیں۔ 1994ء سے 2004ء تک لی اونڈ کچما یوکرائن کا صدر رہا جس پر نہ صرف مغرب نوازی اور مغرب سے اسلحہ اور سرمایہ حاصل کرنے کا الزام تھا بلکہ اس کی بے پناہ کرپشن بھی کھل کر سامنے آئی۔ چنانچہ 2004ء میں یوکرائن میں یانکووچ نے پرو رشین حکومت بنانے کی کوشش کی لیکن ناکام ہوگیا کیونکہ دوسری طرف سے مغربی لابی بھی سرگرم تھی۔ لیکن کافی رسہ کشی کے بعد آخر 2010ء میں یانکووچ روس کی مدد سے یوکرائن کا صدر بن گیا۔ 2013ء میں یوکرائن نے روسی پالیسیز سرعام اپنانا شروع کر دیں جس کے ردِعمل میں مغرب کی طرف سے وہاں انتشار پھیلایا گیا جسے یورو میڈان انقلاب کے نام سے جانا جاتا ہے۔ اس انتشار میں امریکی ایمبیسی اور یوکرائن میں تعینات امریکی سفیر وکٹوریہ نیولینڈ نے بڑا کردار ادا کیا۔ اس کے نتیجے میں امریکہ کا من پسند وکٹر یوشنکو یوکرائن کا صدر بن گیا۔ روس نے اس وقت کاؤنٹر سٹریٹیجی اپناتے ہوئے فوری طور پر کریمیا (مسلم اکثریت علاقہ) میں ریفرنڈم کرایا اور اس کے نتیجے میں کریمیا کو اپنے ساتھ ضم کرلیا۔ مغرب اس کو متنازعہ ریفرنڈم کہتا ہے لیکن آج تک اس علاقے میں کوئی احتجاج

نہیں ہوا۔ آج کریمیا نہ صرف روس کا حصہ ہے بلکہ روس کے یوکرائن پر حالیہ حملے میں چیچنیا کی طرح کریمیا کے مسلمانوں نے روس کا ساتھ دیا ہے۔ 2014ء سے اب تک یوکرائن کی مغرب نواز حکومت نے کریمیا سمیت علیحدگی پسند ریاستوں میں فوجی آپریشن جاری رکھے جس کے نتیجے میں اب تک پندرہ سے بیس ہزار لوگ مارے جا چکے ہیں۔

2018ء میں بیلا روس کے دارالحکومت منسک میں فریقین کے مابین منسک معائدہ بھی ہوا تا کہ جنگ اور انتشار کو روکا جا سکے۔ لیکن یوکرائن اور مغرب نے معاہدے کی ایک دن کے لیے بھی پاسداری نہ کی۔ دوسری طرف 2020ء میں بیلا روس میں بھی مکمل طور پر کریملن نواز حکومت آ گئی۔ پھر یہ کہ 2019ء میں زیلنسکی جو ایک یہودی کامیڈین ہے کو یوکرائن کا صدر بنا دیا گیا اور پھر سے یوکرائن کی یورپین یونین اور نیٹو میں شمولیت کی بات چھیڑ دی گئی۔ اس صورت حال میں ہمیں تین بنیادی رخ بہت واضح نظر آتے ہیں۔ ان کو سامنے رکھیں تو روس دفاعی پوزیشن میں نظر آتا ہے کیونکہ اس وقت روس دنیا میں اپنے آپ کو پھیلانے کی پوزیشن میں نہیں ہے۔ اسے معلوم ہے کہ اس کے خلاف مغرب کا گھیرا تنگ ہو رہا ہے اور مغرب کی اس پالیسی میں پولینڈ اور یوکرائن اہم پرزے ہیں۔ روس چاہتا ہے کہ کسی صورت میں بھی یوکرائن نیٹو کا ممبر نہ بن سکے۔

نیٹو کے چیف سٹالٹن برگ نے 2008ء میں کہہ دیا تھا کہ یوکرائن اب نیٹو کا باقاعدہ ممبر بنے گا۔ جبکہ روس کے لیے یہ ایک ریڈ لائن ہے کیونکہ اس پر روس کی سلامتی اور بقاء کا انحصار ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ روس کو گرم پانیوں تک رسائی بھی چاہیے جو اس کی معیشت، عسکری شعبے اور بین الاقوامی تعلقات کے لیے انتہائی اہمیت کی حامل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شام میں جب محاذ گرم تھا تو روس بھی فوری اس میں کود پڑا تھا۔ اس لیے کہ اس کا گرم پانیوں تک رسائی کا ایک بحری اڈہ طرطوس میں موجود ہے۔ تیسرا معاملہ گیس کا ہے۔ یورپ کو زیادہ تر گیس روس سپلائی کرتا ہے اور اس کا ایک بڑا حصہ یوکرائن کے ذریعے جاتا ہے۔ یہ بنیادی وجوہات ہیں جن کی بنیاد پر روس نے یوکرائن پر حملہ کر دیا۔ پھر یہ کہ یوکرائن کے علاقہ ڈانباس میں روس کے حمایتی لوگ اکثریت میں موجود ہیں۔ یہ خبریں منظر عام پر آ چکی تھیں کہ یوکرائن وہاں پر حملہ کر کے روس کے حمایتیوں کو کچلنا چاہتا تھا لیکن روس نے پہلے حملہ کر دیا اور اس حملے میں عوامی جمہوریہ لوہانسک، عوامی جمہوریہ ڈانسک (جو 2014ء میں یوکرائن سے الگ ہو گئے تھے) نے بھی روس کا ساتھ دیا۔ روس کے لیے اپنا بچاؤ زیادہ اہم ہے کیونکہ اس کے دروازے پر دشمن آ چکا ہے۔ امریکہ، جرمنی، یورپی یونین اور نیٹو نے روس کے پڑوس میں اپنے بیسیز اور فوجیں تیار کی ہوئی ہیں۔ انہوں نے میزائیل شیلڈ پولینڈ اور رومانیہ میں لگا لیے ہیں۔ یوکرائن میں پہلے پرو رشین حکومت تھی لیکن امریکہ وہاں بغاوت کروا کر اپنی من پسند حکومت لے آیا، کیونکہ یوکرائن کی مغرب کے لیے بڑی اہمیت ہے۔ یورپ کو سپلائی ہونے والی گیس کا بڑا حصہ یوکرائن سے گزر کر جاتا ہے۔ اگر یہ گیس پائپ لائن بند ہو جائے تو آدھا یورپ ٹھٹھر کا مر جائے گا۔ اگرچہ روس کے حملہ ردّعمل میں مغرب اور امریکہ جنگ میں نہیں کودے لیکن روس پر سخت ترین پابندیاں لگا دی ہیں۔ یہ پابندیاں روس کے لیے بہت خطرناک ثابت ہو سکتی ہیں اور وہ ان کے سامنے جھکنے پر مجبور ہو سکتا ہے۔

جہاں تک عالمی جنگ کا معاملہ ہے تو اس وقت یہ کہنا قبل از وقت ہے۔ لیکن بہت سی چیزیں دور سے نظر آ جاتی ہیں۔ گزشتہ چند سالوں میں روس اور چین کا ایسا تعلق بن گیا ہے کہ یہ ممکن نہیں ہے کہ چین روس کی مدد کرنے کے لیے آگے نہ بڑھے۔ اگر روس اس وقت امریکہ کے ہاتھوں پسپائی اختیار کرتا ہے تو اس سے چین بری طرح متاثر ہوگا لہٰذا چین کو آگے آنا پڑے گا بلکہ اس کے لیے بہترین موقع ہوگا کہ وہ تائیوان کے حوالے سے آگے بڑھے اور اس پر حملہ کر کے ون چائنہ کو دنیا کی حقیقت بنا دے۔ جب تائیوان کی طرف چین بڑھے گا تو امریکہ اس کو برداشت نہیں کر سکے گا اور یہ چین اس لیے کرے گا کیونکہ اسے امریکہ کی توجہ کو یوکرائن سے ہٹانا ہے۔ یہ کوئی انہونی بات نہیں ہے۔ جواب میں امریکہ چین کو کہیں اور مصروف کرے گا۔ اس کے لیے وہ پاکستان اور انڈیا کا معاملہ چھیڑ سکتا ہے۔ چنانچہ پھر عالمی جنگ کے امکانات پیدا ہو جائیں گے۔ بظاہر اگلے چند سالوں میں عالمی جنگ حتمی ہے۔ واللہ اعلم!

ان حالات میں اصل دانشمندانہ فیصلہ یہ ہوتا کہ پاکستان امریکہ سے تو دور ہو جاتا لیکن اپنے پاؤں پہ کھڑا ہوتا، اور سیاسی اور معاشی طور پر خود طاقت بنتا۔ چین سے دوستی بڑھانے میں کوئی حرج نہیں ہے لیکن اپنی سیاسی اور معاشی کمزوریوں کی وجہ سے ہم امریکہ سے چین کی گود میں منتقل ہونا ہماری ناپسندیدہ مجبوری ہے اگرچہ عسکری لحاظ سے پاکستان کسی حد تک خود کفیل ہوا ہے لیکن آج کی دنیا میں اصل قوت معیشت ہوتی ہے۔ معاشی حالات کی بنیاد پر سیاسی اور عسکری قوت بنتی ہے اصل بات یہ ہے کہ پاکستان اپنے نظریے سے ہٹا ہوا ہے۔ تاریخ میں سوویت یونین اپنے نظریے سے ہٹا، کیمونزم کو اس نے چھوڑ دیا تو وہ شکست وریخت کا شکار ہو گیا۔ اسی طرح انڈیا کا نظریہ سیکولرزم کا تھا کہ تمام مذاہب ایک جیسے ہیں لیکن انڈیا اپنے اس نظریے سے ہٹ گیا اور وہ ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوتا دکھائی دے رہا ہے۔ پاکستان نے شروع سے ہی اپنے نظریے کو ایک مستحکم عمارت میں تبدیل کرنے کے لیے کوئی کوشش ہی نہیں کی جس کی وجہ سے اپنے قیام کے صرف چوبیس (24) سال بعد ہی دولخت ہو گیا۔ لیکن ہم نے سبق نہ سیکھا۔ اگر نظریۂ پاکستان کو عملی تعبیر دی جاتی تو پاکستان دولخت نہ ہوتا بلکہ مضبوط و مستحکم ہوتا۔ لوگ پاکستان کی طرف دیکھتے تو انہیں معلوم ہوتا کہ یہ اسلام کا عملی نقشہ ہے۔ یاد رہے کمزور خاندان ہو، قوم ہو یا ملک ہو، اس کو کوئی نہیں پوچھتا۔ حقیقت یہ ہے کہ کوئی کسی پر ظلم کرے تو ظالم تو بہرحال ظالم ہے لیکن مظلوم کا بھی قصور ہے کہ وہ کیوں اتنا کمزور تھا کہ دوسرے کو اس پر ظلم کرنے کا بہانہ میسر آیا۔ بہرحال ہم نظریاتی انحراف کے نتیجہ میں عالمی سطح پر ایک فٹ بال بن کر رہ گئے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ہماری عزت، وقار اور استحکام صرف اور صرف اسلام سے وابستہ ہے۔

عقلمند کون؟

(سورۃ الواقعہ کی آیات 68 تا 74 کی روشنی میں)

جامع مسجد شادمان ٹاؤن کراچی میں امیر تنظیم اسلامی محترم شجاع الدین شیخ حفظہ اللہ کے 18 فروری 2022ء کے خطاب جمعہ کی تلخیص

مرتب: ابو ابراھیم

خطبہ مسنونہ اور تلاوت آیات کے بعد!

ہم سورۃ الواقعہ کا مطالعہ کر رہے ہیں۔ آج جس مقام کا مطالعہ ہمارے پیش نظر ہے اس میں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کے نظارے ہمارے سامنے رکھے ہیں۔ یہ قرآن حکیم کا فطری اور بنیادی اسلوب ہے کہ وہ انسانوں کو خود انسانوں کی جانوں میں اور اس کائنات میں جو اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں جا بجا پھیلی ہوئی ہیں ان نشانیوں پر غور وفکر کی دعوت دیتا ہے تاکہ بندے اپنے خالق اور رب کو پہچانیں اور اس کو مان کر اس کی ماننے کی کوشش کریں۔ زیر مطالعہ سورت میں یہی اسلوب دیکھنے میں آ رہا ہے کہ انسان کی پیدائش میں غور وفکر کی دعوت دی گئی، پھر جو بیج ہم زمین میں بوتے ہیں اس سے فصل کی تیاری پر غور وفکر کرنے کی دعوت دی گئی اور یہ بھی باور کرایا گیا کہ اگر اللہ چاہے تو اس بیج کو زمین میں چورا چورا کر دے اور پھر تم کہتے رہ جاؤ کہ ہم پر تو تاوان پڑ گیا۔ ساری محنت تو ضائع ہو گئی، نفع ملنا تو دور کی بات نقصان ہی نقصان ہو گیا اور ہم تو محروم ہو گئے۔ اس میں غور وفکر کی دعوت ہے کہ ہم اس ہستی کو پہچانیں جو اس بیج کو پیدا کرنے والا ہے اور پھر اس کو زمین میں محفوظ رکھنے والا ہے اور وہی اس کو تباہ کرنے کا اختیار بھی رکھتا ہے۔ آگے مزید اللہ کی قدرت کی نشانیوں میں غور وفکر کی دعوت دی جا رہی ہے۔ فرمایا:

﴿اَفَرَءَیۡتُمُ الۡمَآءَ الَّذِیۡ تَشۡرَبُوۡنَ ﴿۶۸﴾﴾ ''کبھی تم نے غور کیا کہ وہ پانی جو تم پیتے ہو؟''

﴿ءَاَنۡتُمۡ اَنۡزَلۡتُمُوۡہُ مِنَ الۡمُزۡنِ اَمۡ نَحۡنُ الۡمُنۡزِلُوۡنَ ﴿۶۹﴾﴾ ''کیا بادلوں سے تم نے اسے برسایا ہے یا ہم ہیں برسانے والے؟''

پانی کو ہماری بنیادی ضروریات زندگی میں اوّلین حیثیت حاصل ہے۔ پانی نہ ہو تو ہم زندہ نہ رہ سکیں لیکن کیا ہم نے کبھی غور کیا کہ اس کو پیدا کرنے والا کون ہے؟ یہ جو واٹر سائیکل ہے یعنی بارش کا پورا نظام ہے کہ سمندر سے بخارات اُٹھتے ہیں، کون بخارات کو اُٹھاتا ہے؟ پھر اوپر جا کر یہ بادلوں کی شکل اختیار کرتے ہیں، پھر ہوا لے کر ان کو میلوں کا سفر طے کرتی ہے، کون ان بادلوں کو تھامتا ہے اور پانی کے اس خزانے کو ہوا میں محفوظ رکھتا ہے۔ پھر کون ان بادلوں سے پانی نازل کرتا ہے۔ پھر اس پانی کو کہیں زیر زمین، اور کہیں گلیشیئرز میں جمع رکھتا ہے اور ضرورت کے مطابق کہیں چشموں کی صورت میں، کہیں کنوؤں کی صورت میں اور کہیں ندی نالوں اور دریاؤں کی صورت میں انسانوں، حیوانوں، چرند پرند، حشرات الارض کے کام آتا ہے اور پھر اسی پانی سے ہم کھیتی باڑی بھی کرتے ہیں، فصلیں اگاتے ہیں اور تمام ضروریات زندگی میں پانی کا استعمال کرتے ہیں اور اسی کو ہم پیتے بھی ہیں۔ کون ہے جس نے یہ سارا نظام بنایا ہے؟

آج ہمارے ملک میں ڈیم بنانے پر بحث ہو رہی ہے کیونکہ پانی کے ذخیرے پر ہماری بقاء اور ترقی کا انحصار ہے۔ ذرا سوچئے گلیشیئرز کی صورت میں کون اتنے پانی کو ذخیرہ کر رہا ہے جو آہستہ آہستہ بہہ کر ندی نالوں اور پھر دریاؤں کے ذریعے ہماری تمام ضروریات کو پورا کرتا ہوا دوبارہ سمندر میں پہنچتا ہے۔ وہاں سے پھر بخارات کی صورت میں اٹھنا اور اس واٹر سرکل کا جاری رہنا، کون ہے جو اس نظام کو چلا رہا ہے۔ اگر یہ نظام نہ ہو تو سوچئے کرۂ ارض پر زندگی کا کیا حشر ہو جائے۔ اللہ اکبر کبیراً۔ تمام چرند، پرند، انسانوں، حیوانوں، فصلوں اور پودوں کا انحصار اس نظام پر ہے۔ سمندر سے اٹھ کر پانی بارش کی صورت میں برستا ہے اور پھر ہمارے گھروں تک پہنچتا ہے اور ہمارے وجود کے ایک ایک خلیے تک پہنچتا ہے۔ یہ کس قدر اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ہیں۔ کیا یہ از خود ہو رہا ہے؟ قطعاً نہیں۔ یہ وہ سادہ اسلوب ہے جو قرآن حکیم خالق کائنات کے تعارف کے حوالے سے غور وفکر کے ضمن میں ہمارے سامنے رکھتا ہے۔ آگے پانی کے حوالے سے ایک اور آفاقی حقیقت بیان ہو رہی ہے۔ فرمایا:

﴿لَوۡ نَشَآءُ جَعَلۡنٰہُ اُجَاجًا﴾ ''اگر ہم چاہیں تو اسے کڑوا کر دیں''

﴿فَلَوۡ لَا تَشۡکُرُوۡنَ ﴿۷۰﴾﴾ ''تو تم کیوں شکر ادا نہیں کرتے؟''

سمندر کا پانی کڑوا ہوتا ہے۔ اس میں نمکیات کی بہتات ہوتی ہے، وہ پینے کے قابل نہیں ہوتا۔ لیکن اُسی سمندر سے بخارات اُٹھ کر بادلوں کی شکل اختیار کرتے ہیں اور ہوائیں انہیں لے کر اللہ کے حکم سے چلتی ہیں اور جہاں اللہ کا حکم ہوتا ہے وہاں برساتی ہیں، وہاں سے یہی پانی ہمارے گھروں تک پہنچتا ہے اور ہم پیتے ہیں لیکن وہ پانی کڑوا نہیں ہوتا۔ ذرا سوچئے۔ کون یہ اہتمام کر رہا ہے؟ اگر سمندر سے اُٹھتے وقت بخارات میں نمک بھی ساتھ چلا

جائے اور پھر بارش کی صورت میں برسے تو دنیا کا کیا حشر ہو جائے۔ غور کیجیے! کون ہے جو سمندر کے کڑوے پانی سے صاف پانی الگ کر کے ہم تک پہنچاتا ہے؟ یہ میٹھا پانی کون تمہیں عطا کر رہا ہے؟

اُردو کا ایک محاورہ ہے: ''مال مفت دل بے رحم۔'' ہمیں اللہ کی نعمتوں کی قدر و قیمت کا اندازہ ہی نہیں ہے۔ اگر آپ بجلی کا بل، پانی کا بل جمع نہ کرائیں تو پہلے آپ کو نوٹس آتا ہے اور بعدازاں کنکشن کاٹ دیا جاتا ہے۔ لیکن ذرا سوچیے وہ رب کروڑہا سال سے کرہ ارض پر تمام جانداروں کو آکسیجن، پانی اور ضرورت زندگی کی ہر شے فراہم کر رہا ہے۔ کروڑہا سال سے اللہ کا سورج زمین والوں کو روشنی اور حرارت فراہم کر رہا ہے، اسی سے موسموں کا تغیر و تبدل ہوتا ہے، پھر بخارات کا اُٹھنا اور بارش کی صورت میں برسنا، پھر اسی حرارت اور پانی سے پھلوں کا پیدا ہونا، ان میں مٹھاس کا آنا اللہ کے بنائے ہوئے نظام کے مطابق ہے۔ اگر کسی دن اللہ تعالیٰ زمین والوں کو بل بھیج دے تو پھر ہمارا کیا حشر ہوگا؟ لیکن اللہ فوری پوچھ نہیں رہا۔ وہ تو کہتا ہے:

﴿اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا ۝۳﴾ (الدھر)

''ہم نے اس کو راہ سجھا دی' اب چاہے تو وہ شکر گزار بن کر رہے' چاہے ناشکرا ہو کر۔''

ادھر زمین پر اللہ نے امتحان کے لیے بھیجا ہے۔ کل قیامت کے دن وہ پوچھے گا۔ فرمایا:

﴿ثُمَّ لَتُسْـَٔلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيْمِ ۝۸﴾ (التکاثر)

''پھر اس دن تم سے ضرور پوچھا جائے گا نعمتوں کے بارے میں۔''

اللہ کے رسول ﷺ کا تفصیلی واقعہ موجود ہے۔ آپ ﷺ کے سامنے روٹی بھی ہے، بکری کا گوشت بھی ہے، پانی بھی ہے اور کھجور بھی ہے۔ حضور ﷺ فرما رہے ہیں کہ اس روٹی کے بارے میں سوال ہوگا، اس کھجور کے بارے میں سوال ہوگا، اس گوشت کے بارے میں سوال ہوگا، اس پانی کے بارے میں سوال ہوگا۔ (سنن نسائی)۔

جامع ترمذی میں حدیث مبارک ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: قیامت کے دن بندے کے قدم اس کی جگہ سے ہٹ نہیں سکیں گے جب تک وہ پانچ سوالوں کے جوابات نہ دے اور یہ اہم ترین سوال ہیں۔ اس زندگی کے بارے میں، جوانی کے بارے میں، کمائی کے بارے میں، خرچ کہاں کیا، اور علم جو حاصل کیا اس پر کتنا عمل کیا؟ جب تک بندہ ان سوالوں کے جواب نہیں دے گا اپنی جگہ سے ہٹ نہیں سکے گا۔ آج بجلی، گیس کے بل آ رہے ہیں اور ہم فوری ادا کر رہے ہیں کل اللہ پوچھے گا کہ میں نے تمہیں کتنی نعمتیں عطا کی تھیں: ﴿ثُمَّ لَتُسْـَٔلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيْمِ ۝۸﴾ (التکاثر)

غور کیجیے! کھانا میرے جسم کی ضرورت ہے، پینا میرے جسم کی ضرورت ہے، بھوک مجھے ستاتی ہے، پیاس مجھے ستاتی ہے تو میں بھوک مٹاتا ہوں، میں پیاس بجھاتا ہوں۔ یہ جسم کی حاجت تو پوری ہوگئی۔ اللہ نے صرف جسم نہیں دیا ہے، اس نے روح بھی دی ہے۔ جس خالق نے جسم کی حاجات کو پورا کرنے کا اہتمام فرمایا کیا اس نے روح کی حاجات پورا کرنے کا اہتمام نہیں فرمایا ہوگا؟ جو خالق بارش نازل فرماتا ہے اُسی نے قرآن بھی نازل فرمایا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

﴿اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ﴾ (الزمر: 2)

''(اے نبی ﷺ!) ہم نے آپ پر یہ کتاب اُتاری ہے حق کے ساتھ''

بارش برستی ہے تو پانی زمین کے اندر جاتا ہے اور فصل کو پیدا کرنے کی جو صلاحیت اس زمین میں ہے اس کو بیدار کرتا ہے اور فصل اُگنا شروع ہوتی ہے۔ بندہ لہلاتی فصل کو دیکھ کر خوش ہو جاتا ہے۔ اسی طرح قرآن کی بارش اگر واقعتاً ہمارے دلوں پر برسے، اس قرآن کا نور اگر

پریس ریلیز 4 مارچ 2022ء

امریکہ اور یورپی یونین کا پاکستان سے روس کی مخالفت پر اصرار کرنا مداخلت بیجا ہے

شجاع الدین شیخ

امریکہ اور یورپی یونین کا پاکستان سے روس کی مخالفت پر اصرار کرنا مداخلت بیجا ہے۔ یہ بات تنظیم اسلامی کے امیر شجاع الدین شیخ نے ایک بیان میں کہی۔ اُنھوں نے کہا کہ امریکہ کے ذہن سے ابھی تک عالمی شہنشاہیت کا خناس نکل نہیں سکا۔ کسی ایک ملک کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ دوسرے ملک کو مجبور کرے کہ وہ اُس کی من پسند خارجہ پالیسی اختیار کرے۔ اُنھوں نے کہا کہ پاکستان کی یوکرائن تنازعہ کے حوالے سے پالیسی غیر جانبدارانہ ہی ہونی چاہیے اور ہمیں اِس حوالے سے تمام فیصلے منظر اور پسِ منظر کو سمجھتے ہوئے کرنے چاہئیں۔ ہم کسی طور پر بھی امریکہ، یورپ یا کسی بھی عالمی قوت کے مفادات کے تحفظ کے ذمہ دار نہیں ہیں۔ درحقیقت پاکستان کو ایک آزاد خارجہ پالیسی اختیار کرتے ہوئے اپنی ملکی سلامتی اور عوام کے تحفظ اور خوشحالی کو فوکس کرنا ہوگا۔ انھوں نے کہا کہ کون اِس حقیقت سے انکار کرسکتا ہے کہ ماضی میں پاکستان نے مغرب پر انحصار کر کے بے پناہ نقصان اُٹھایا۔ ضرورت اِس امر کی ہے کہ ایک اسلامی نظریاتی ریاست کی حیثیت سے ہمارا رول ملکی اور بین الاقوامی سطح پر سچ اور حق کی بنیاد پر ہو۔ (جاری کردہ: مرکزی شعبہ نشر و اشاعت، تنظیم اسلامی، پاکستان)

ہمارے دلوں میں واقعتاً اترے تو پھر ظاہر میں نیک اعمال کی فصل اُگنا شروع ہو جائے گی۔ وہ اللہ جو جسم کی حاجات کو پورا کرنے کے لیے، بھوک اور پیاس مٹانے کے لیے اپنی نعمتوں کا نزول فرما رہا ہے اور جتا بھی رہا ہے کہ:

﴿فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۷۷﴾﴾ (الرحمٰن)

''تو تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں اور قدرتوں کا انکار کرو گے؟''

وہی اللہ ہمیں یہ بھی بتا رہا ہے کہ تمہاری دنیا کی حاجات سے بڑھ کر تمہارا آخرت کا معاملہ ہے۔ تو کیسے ممکن ہے کہ اس خالق نے اس روح کی حاجات کو پورا کرنے کا اہتمام نہ کیا ہو اور آخرت کی دائمی زندگی کی تیاری کے لیے ہمیں کچھ نہ دیا ہو؟ اللہ مادی نعمتوں کا ذکر بھی بار بار قرآن میں فرماتا ہے اور اللہ روحانی نعمتوں کا ذکر بھی بار بار فرماتا ہے۔ جسم اہم ہے لیکن روح اہم ترین ہے۔ دنیا ضرورت ہے لیکن آخرت ہمارا اصل مسئلہ ہے۔ لہٰذا جتنی ان کھانے پینے کے معاملات پر توجہ ہے اس سے بڑھ کر توجہ روح کی تسکین پر ہونی چاہیے۔ اس روح کی غذا اللہ کی وحی ہے، اس روح کا اطمینان اللہ کی یاد میں ہے، اس روح کو بیدار کر کے اور اس کے تقاضوں پر عمل کریں تو کل اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے ہاں کامیابی ہے اور پھر وہ اللہ اعلان فرمائے گا:

﴿یٰٓاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ﴿۲۷﴾ ارْجِعِیْٓ اِلٰی رَبِّكِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً ﴿۲۸﴾ فَادْخُلِیْ فِیْ عِبٰدِیْ ﴿۲۹﴾ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ ﴿۳۰﴾﴾ (الفجر)

''اے نفس مطمئنہ! اب لوٹ جاؤ اپنے رب کی طرف اس حال میں کہ تم اس سے راضی، وہ تم سے راضی۔ تو داخل ہو جاؤ میرے (نیک) بندوں میں۔ اور داخل ہو جاؤ میری جنت میں!''

جس رب نے دنیا کی عارضی زندگی کی حاجات کو پورا کرنے کے لیے مادی نعمتیں عطا کی ہیں، اُسی رب نے روحانی حاجات پورا کرنے کے لیے کتاب عطا فرمائی ہے، اپنے پیغمبر ﷺ کا اسوہ عطا کیا ہے اور زندگی گزارنے کا ڈھنگ، طریقہ اور سلیقہ ہمیں سکھا دیا ہے اور کل کی منزل آخرت کو سامنے رکھ کر آج دنیا کی زندگی کو گزارنے کی تعلیم دی ہے۔

ہم بھی تنہائی میں غور کریں کہ ایک وقت کا کھانا لیٹ ہو جائے تو کتنی پریشانی ہوتی ہے۔ لیکن لوگوں کی پانچ نمازیں ضائع ہو جاتی ہیں لیکن کیا فکر ہوتی ہے؟ بچے کے میتھ میں نمبرز کم آ جائیں ہم کتنے پریشان ہو جاتے ہیں۔ لیکن بچہ اللہ کے کلام سے بالکل دور ہو تب کوئی پریشانی ہوتی ہے؟ آج ہماری فکریں کیا ہیں؟ اللہ نے یہ کتاب ہماری ہدایت کے لیے بھیجی تاکہ ہم اس کے مطابق اپنی آخرت کی تیاری کریں لیکن ہم نے آخری بار یہ کتاب کب کھولی؟ اور کب ترجمے اور تشریح کے ساتھ پڑھ کر ہدایت حاصل کرنے کی کوشش کی؟ اس کتاب کے مطابق، اُسوۂ رسول ﷺ کے مطابق اپنی زندگی کا لائحہ عمل طے کرنا کیا ہماری ترجیح میں شامل ہے؟ جتنا ہم اپنے جسم کی حاجات کو اہم سمجھتے ہیں اور اس کے تقاضوں کو پورا کرنے کی ہر ممکن کوشش کرتے ہیں کیا اُتنی ہی اہمیت ہم اپنی روح کے تقاضوں کو پورا کرنے کو دیتے ہیں؟ ابھی جیسے جیسے گرمی بڑھے گی، پھر پسینہ بہے گا تو پنکھے بھی چلیں گے، اے سی بھی چلے گا، بجلی نہیں تو یو پی ایس کا انتظام کریں گے، جنریٹر بھی چلے گا لیکن قبر کے عذاب سے، جہنم کی گرمی سے بچنے کا کتنا اہتمام کر رہے ہیں؟ حالانکہ ہمارا آخرت پر ایمان ہے اور مانتے ہیں کہ یہ دنیا چند روزہ ہے جبکہ آخرت دائمی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((الکیّس من دَانَ نفسه، وعمل لما بعد الموت، والعاجز من أتبعَ نفسه ھواھا وتمنّی علی اللہ)) (الترمذی)

''عقلمند وہ ہے جو اپنے نفس کا محاسبہ کرے اور موت کے بعد کے لیے عمل کرے، اور عاجز وہ ہے جو اپنے نفس کی خواہشوں کے پیچھے لگا رہے اور اللہ تعالیٰ سے اُمیدیں باندھے۔''

دنیا عارضی ہے اور آخرت دائمی ہے لہٰذا عقل مندی کا تقاضا یہ ہے کہ عارضی کی فکر عارضی حد تک کرو اور ہمیشہ کی زندگی کی فکر ہمیشہ کے اعتبار سے کرو اور وہ شخص جو اس عارضی دنیا کو سب کچھ سمجھے اور ہمیشہ کی زندگی کو فراموش کر دے اس سے بڑا بیوقوف کون ہوگا؟ اس تناظر میں ہم سب کو بھی اپنے اندر جھانک کر دیکھنا چاہیے کہ ہم عقلمند ہیں یا نرے بے وقوف ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں آخرت کا یقین اور اس کی تیاری کی توفیق عطا فرمائے۔ آگے فرمایا:

﴿اَفَرَءَیْتُمُ النَّارَ الَّتِیْ تُوْرُوْنَ ﴿۷۱﴾﴾ ''کبھی تم نے سوچا کہ وہ آگ جو تم جلاتے ہو؟''

﴿ءَاَنْتُمْ اَنْشَاْتُمْ شَجَرَتَهَآ اَمْ نَحْنُ الْمُنْشِئُوْنَ ﴿۷۲﴾﴾ ''کیا اس کے درخت کو تم نے پیدا کیا ہے یا اس کے پیدا کرنے والے ہم ہیں؟''

یہ درختوں کا عطا کرنا بھی اللہ کی کتنی بڑی نعمت ہے۔ ایک چھوٹے سے بیج سے اللہ تعالیٰ کہاں تک معاملہ پہنچا دیتا ہے۔ ان درختوں کو انسان ایندھن کے طور پر بھی استعمال کرتا ہے۔ یہاں بھی غور و فکر کی دعوت ہے۔ فرمایا:

﴿نَحْنُ جَعَلْنٰهَا تَذْكِرَةً وَّمَتَاعًا لِّلْمُقْوِیْنَ ﴿۷۳﴾﴾

''ہم نے بنا دیا اس کو ایک نشانی یاد دلانے کو اور ایک بہت فائدہ مند چیز صحرا کے مسافروں کے لیے۔''

یہ بھی یاد دہانی ہے کہ تمہارا ایک خالق ہے جو تمہارے لیے یہ سارے انتظام کر رہا ہے۔ اُس زمانے میں صحرا میں سفر ہوا کرتے تھے اور وہاں آگ کی بھرپور حاجت پیش آتی تھی۔ اسی طرح گھر میں، سفر میں ہر جگہ آگ کی ضرورت پیش آتی تھی۔ آج بھی ہماری ضروریات زندگی میں آگ کی کتنی اہمیت ہے۔ اللہ تعالیٰ توجہ دلا رہا ہے تاکہ ہم غور کریں۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو ایک نطفے سے پیدا کیا اور کیسا انسان بنایا، پھر اس کی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے زراعت، پانی، آگ، آکسیجن اور کیا کیا نعمتیں پیدا کیں۔ کیا یہ خود بخود ہو گیا؟ قطعاً نہیں۔ آگے فرمایا:

﴿فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِیْمِ ﴿۷۴﴾﴾ ''پس تم تسبیح بیان کرو اپنے ربّ کے نام کی جو بہت عظمت والا ہے۔''

اللہ کی تسبیح سے مراد یہ ہے کہ اللہ پاک ہے۔ یعنی اللہ ہر حاجت سے پاک ہے، ضرورت سے پاک ہے، کمزوری سے پاک ہے، نقص سے پاک ہے، کمی کوتاہی سے پاک ہے، زوال سے پاک ہے۔ محتاج تم ہو، ضرورت مند تم ہو، حاجت مند تم ہو، زوال تمہیں آتا ہے، ختم تم ہو جاؤ گے، فنا تمہیں ہے۔ اللہ سبحان ہے، اللہ تعالیٰ پاک ہے۔ یہ بھی اللہ کی عظمت کا بیان ہے۔ جب یہ تسبیحات ہم نماز میں پڑھیں تو ان کے مفاہیم سامنے رکھیں، اللہ کی عظمت ہمارے دلوں میں مزید بڑھے گی۔ ان شاء اللہ! اور ہماری نمازوں میں بھی اور ذکر میں بھی مزید لطف اور لذت آئے گی اور اللہ تعالیٰ سے تعلق میں مضبوطی پیدا ہوگی۔ اللہ ہمیں غور و فکر کی، اللہ کی نعمتوں کو پہچاننے اور شکر بجا لانے اور اللہ کی تسبیح بیان کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

❁❁❁

18

حضورِ رسالت ـ 9 ـ (XII)

دگر پاکیزہ کن آب و گِل او
جہانے آفریں اندر دلِ او
ہوا تیز و بداما‌نش دو صد چاک
بیندیش از چراغِ بسملِ او

ترجمہ اس کی پانی اورمٹی (جسم) کو دوبارہ پاک کر۔ اس کے دل میں ایک (نئی) دنیا آباد کر۔ ہوا تیز ہے اور اس کا دامن دو سو چاک سے بھر چکا ہے۔ اس کوغور سے دیکھ اس کا چراغ بجھنے کے قریب ہے۔

تشریح اے خاصہ خاصانِ رُسل ﷺ! آج کا ہندی مسلمان بڑے نامساعد حالات میں ہے۔ انگریز اور ہندو قوم کے گٹھ جوڑ سے گزشتہ دو صدیوں کی غلامی میں اس کے جسم و جان وتن میں غلط نظریات وخیالات آرزوئیں جنم لینے لگی ہیں۔ آپ ﷺ کو مشرق سے ٹھنڈی ہوائیں آئیں، ہم اس مشرق کے باسی ہیں۔ اے امت مسلمہ کے میر کارواں! امت مسلمہ کے اس حصے کے جسم وجان کو پاکیزہ جذبات دیجیے۔ اس کے سینے میں آزادی کی آرزو اور منحوس برطانوی استعمار سے گلوخلاصی کا جذبہ روشن کر دیجیے۔ اس کے سینے میں ایک نئی روشن دنیا آباد کر دیجیے تاکہ یہ اٹھ کر غلامی سے نکلنے کی جدوجہد پر آمادہ ہو۔

اب تو یہ حال ہے کہ حالات مخالف ہیں، دوسری غیر مسلم قومیں بیدار اور آمادہ عمل ہیں اور مسلمان امت کو کاٹ کھانے اور نیست ونابود کرنے میں مصروف عمل ہیں۔ مشرق وسطیٰ میں خلافت عثمانیہ کا خاتمہ ہو چکا ہے۔ مسلمانوں کا قبلۂ اوّل اور حرمین شریفین خلافت عثمانیہ کے ہاتھوں سے نکل کر انگریزوں کے پٹھوں کے ہاتھ میں جا چکے ہیں۔ حالات خراب ہیں مسلمان امت کا دامن تار تار، چراغ (ایمان) مضمحل ہے اور توجہ سے دیکھو تو یہ چراغ بھی بجھنے کے قریب ہے کہ مادی دنیا میں نہ وسائل ہیں، نہ قیادت ہے، نہ جذبہ ہے، نہ آرزو۔ ہمارا حال تو اس شعر کا مصداق ہے

اے دُعا جا عرض کر عرشِ الٰہی تھام کے
اے خدا اب پھیر دے رُخ گردشِ ایام کے

حضورِ رسالت ـ 10 ـ (I)

عروسِ زندگی در خلوتش غیر
کہ دارد در مقامِ نیستی سیر
گنہگاریست پیش از مرگ در قبر
نکیرش از کلیسا، منکر از دَیر!

ترجمہ زندگی کی دلہن ان غیروں (غیر مسلم) کی خلوت میں ہے۔ کیونکہ مسلمان مقام نیستی کی سیر کر رہا ہے، (مراد یہ کہ زندگی کی آسائشوں سے محروم ہو کر بے عملی کی زندگی بسر کر رہا ہے)۔

وہ ایسا گنہگار ہے جو موت سے پہلے قبر میں جا چکا ہے۔ اس کے منکر ہندو ہیں (جو اس کو ختم کرنے کے درپہ ہیں) اور نکیر یورپی اقوام ہیں (جو اس پر غالب ہیں) اس سے حساب لے رہے ہیں۔

تشریح جنوبی ایشیا کے مسلمان ہوں یا عالم اسلام کے دیگر خطوں کے باسی کلمہ گو، مغربی بالادست استعمار ــــ جو دراصل یورپی عیسائی اور صہیونی گٹھ جوڑ کا دوسرا نام ہے دنیا پر قابض ہے اور عالم اسلام جو دنیا بھر کے متمدن علاقوں پر مشتمل ہے، ان کا پہلا ہدف ہے اور مسلمانوں کو کچل دینا ان کا مشن ہے۔ سیکولر انسان دشمن نظامِ تعلیم سے اب آسودہ حال مسلمان مغربی ابلیسی سوچ کے حامل ہیں۔ غریب عوام مسلمان جو عشق مصطفےٰ ﷺ سے حصہ پاتے ہیں وہ مقہور ومجبور وغلام ہیں۔ مسلمانوں کے رہنما اور آسودہ حال طبقات اب مغربی طرزِ زندگی (LIFE STYLE) اختیار کر چکے ہیں اور اسی میں خوش ہیں۔ مسلمان عوام کی 'عروس' یعنی دلہن (آرزوؤں امنگوں کی نشانی) دشمنوں کے ہاتھوں میں ہے۔ مسلمان بے عملی کی زندگی گزار رہا ہے، وہ ایسا گنہگار ہے جو مرنے سے پہلے مر چکا ہے۔ اب اس کے نگہبان ونگران یورپی اقوام بطور 'منکر' اور صہیونیت (یہودیت) بطور 'نکیر' کے حکمران ہیں اور اس سے حساب لے رہے ہیں۔ اور عصر حاضر کے مذہبی عناصر اور ان کے رہنما علماء کسی کی سنتے بھی نہیں ہیں۔ کاش کوئی علماء کو عصر حاضر کے علوم اور گزشتہ چند صدیوں میں مسلمانوں کی تجرباتی علوم میں تہی دامنی کا کوئی مداوا کرنے کا احساس دلا سکے۔

مہمانِ عزیز

پُر ہے افکار سے ان مدرسے والوں کا ضمیر
خوب و ناخوب کی اس دور میں ہے کس کو تمیز!
چاہیے خانۂ دل کی کوئی منزل خالی
شاید آ جائے کہیں سے کوئی مہمانِ عزیز

(کلیاتِ اقبال اردو، ص543)

امیر سے ملاقات

میزبان: آصف حمید

سوال: تنظیم اسلامی کی امارت کی ذمہ داری اچانک آپ کے کندھوں پر آئی، حالانکہ سابقہ امیر حیات ہیں۔ ماشاء اللہ! لیکن انہوں نے اپنی بیماری کی وجہ سے آپ کو یہ ذمہ داری تفویض کی۔ یہ ذمہ داری جب غیر متوقع طور پر آپ کے سامنے آئی۔ شوریٰ نے فوری طور پر فیصلہ کیا۔ اس وقت سے لے کر آج تک آپ کے احساسات کیا ہیں؟

جواب: یقیناً! یہ بہت بھاری ذمہ داری ہے۔ حدیث میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ فرماتے ہیں کہ جو خود سے مانگتا ہے اس کو ہم ذمہ داری نہیں دیتے لیکن جس پر یہ ذمہ داری ڈالی جاتی ہے تو پھر اللہ سبحانہ وتعالیٰ اس کے لیے آسانی فرماتا ہے۔ یہ حدیث شوریٰ کے فیصلے کے دوران اکابرین نے ہم سب کے سامنے رکھی تھی۔ میری التجا ہے کہ ہمارے قارئین اور رفقاء تنظیم اسلامی دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ آسانی فرمائے۔ امارت کی ذمہ داری کے بعد پہلا معاملہ تو یہ ہوا کہ اسفار خاصے بڑھ گئے ہیں۔ ہمارے ہاں ایک سالانہ پلانر بنتا ہے جس میں امیر تنظیم کی مصروفیات کا بھی تعین کیا جاتا ہے۔ ناظرین اور رفقاء کے علم میں ہے کہ تنظیم کا مرکز تو لاہور میں ہے اور فی الوقت میری رہائش کراچی میں ہی ہے۔ اس کے علاوہ ایک خدمت قرآنی کے حوالے سے مصروفیت کچھ یوں ہے کہ ایک ادارہ ہے علم فاؤنڈیشن جس کا دفتر بھی کراچی میں واقع ہے۔ بہر حال کراچی سے پورے پاکستان میں اسفار کا سلسلہ رہتا ہے۔ 2021ء میں ہم نے calculation کی تو کم وبیش پانچ مہینے سال میں اسفار میں گزر رہے ہوتے ہیں۔ ظاہری بات ہے اس کی اپنی ایک ضرورت ہے۔ مرکز میں آنا اور پھر رفقاء کی طرف جانا۔ باقی اللہ رب العالمین کا فضل اور احسان ہے کہ ہماری مرکزی ٹیم ہے، پھر ہمارے تمام ذمہ داران ہیں، حلقوں میں اور دیگر سطحوں پر ہمارے رفقاء ہیں ان کا بھرپور تعاون حاصل ہے۔ اور ان کی دعائیں ہیں کہ اب تک یہ ذمہ داری اللہ کے فضل وکرم سے ادا ہو رہی ہے۔ البتہ اگر میں پیچھے مڑ کر بانی تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمدؒ اور سابق امیر تنظیم اسلامی حافظ عاکف سعید صاحب کے سیٹ کیے ہوئے معیارات کو دیکھوں تو اپنے لیے بڑی مشکل پاتا ہوں۔ لیکن قرآن کے ارشاد:

﴿لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ؕ﴾ (البقرۃ:286)

”اللہ تعالیٰ نہیں ذمہ دار ٹھہرائے گا کسی جان کو مگر اس کی وسعت کے مطابق۔“

کے مصداق اللہ تعالیٰ نے ذمہ داری دی ہے تو وہی نصرت اور توفیق دے گا۔ ان شاء اللہ!

سوال: تنظیم اسلامی حقیقت میں کیا ہے؟ یہ فرقہ ہے، گروہ ہے، گروپ ہے یا کچھ اور؟

جواب: فرقہ یا مسلک کبھی کبھی ہمارے ہاں ہم معنی میں استعمال ہو جاتا ہے۔ اور جماعت کے ساتھ لفظ ’’الجماعۃ‘‘ بھی ہمارے ہاں دینی پیراڈائم میں احادیث کی روشنی میں استعمال ہوتا ہے۔ ہمارے تنظیم اسلامی کے زیر اہتمام جو کتابیں شائع ہوتی ہیں ان کے بیک ٹائٹل پر یہ عبارتیں تحریر ہیں کہ تنظیم اسلامی مروجہ مفہوم کے اعتبار سے نہ کوئی سیاسی جماعت ہے، نہ مذہبی فرقہ بلکہ ایک اصولی اسلامی انقلابی جماعت ہے۔ جو اولاً پاکستان میں اور بالآخر ساری دنیا میں دین حق یعنی اسلام کو غالب کرنے یا دوسرے لفظوں میں نظامِ خلافت کو قائم کرنے کے لیے کوشاں ہے! ایک بنیادی وضاحت ضروری ہے کہ تنظیم اسلامی کے عقائد وہی ہیں جو اہل سنت والجماعت کے عقائد ہیں۔ ان عقائد کو ہمارے دو تین کتابچوں میں تحریر کر کے شامل کیا گیا ہے۔ ہمارا مسلک کون سا ہے؟ معروف مسالک میں حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلی شامل ہیں۔ اس کے ساتھ ہمارے اہل حدیث حضرات بھی موجود ہیں۔ بہر حال کبھی کبھی فقہی آراء یا ان کے اصول کے اختلاف کے نتیجے میں کوئی مسلک وجود میں آتا ہے۔ اہل سنت والجماعت کے تمام مسالک اپنی جگہ سب حق پر ہیں۔ الحمدللہ! یہ تمام مسالک تو صدیوں سے چلے آرہے ہیں۔ پھر کبھی کبھی عقائد کی تعبیرات یا توضیحات یا تفصیلات میں فرق واقع ہونے کے نتیجے میں بھی اختلاف رائے آتا ہے اور یہ ایک معلوم مسلمہ بات ہے۔ ہمارے پاکستان میں اکثریت فقہ حنفی کے مطابق عمل کرنے والے حضرات کی ہے۔ لیکن ہم جانتے ہیں کہ یہاں ایک دیوبندی مکتب فکر بھی ہے اور بریلوی مکتب فکر بھی ہے اور ان کے ہاں عقائد کی تفصیلات میں کچھ فرق واقع ہونے کی صورت میں مکاتب فکر کا لفظ استعمال ہو گیا۔ تنظیم اسلامی تمام مفاہیم میں کوئی فرقہ، کوئی مسلک نہیں ہے۔ ہماری اکثریت احناف کی ہے اور ہمارے ساتھ اہل حدیث مکتب فکر کے افراد بھی موجود ہیں۔ ان دونوں مکاتب فکر کے افراد تنظیم اسلامی میں شامل ہو بھی سکتے ہیں اور شامل بھی ہیں۔ تنظیم اسلامی کی اٹھان کسی فقہی مکتب یا مسلک کی بنیاد پر نہیں ہے، اسی لیے ہمارے ساتھ احناف اور اہل حدیث حضرات دونوں شامل ہیں۔ اب ایک ٹیکنیکل مسئلہ کہ پھر بریلوی دیوبندی کا معاملہ؟ ہم اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ ماضی میں بعض شخصیات اور شخصیات کے نتیجے میں کچھ عقائد اور تعبیرات میں فرق واقع ہوا جس کے نتیجے میں دو مکاتب فکر کھڑے ہو گئے۔ مگر ہمارے نزدیک وہ کچھ تعبیرات کا مسئلہ زیادہ اور کچھ شخصیات کے اختلافات کو ذرا زیادہ ہائی لائٹ کر دیا گیا، ہم ان مباحث کی تفصیلات میں نہیں جاتے اور ہم ان کو اسی طرح اون کرتے ہیں کہ یہ فقہ حنفی کے مطابق عمل کر رہے ہیں۔ ہمارا اور ہمارے رفقاء کا عام معمول یہی ہے کہ اگر ہم سفر کر رہے ہیں تو نماز کا وقت ہو گیا تو جس مکتب فکر کی مسجد بھی نظر آتی ہے وہاں ہم جا کر نماز ادا کر لیتے ہیں۔ اب سوال ہے کہ آپ یہ بھی نہیں، وہ بھی نہیں تو پھر کیا ہیں؟ پھر سمجھنے کی بات ہے کہ ہم کہتے ہیں کہ ہم ایک جماعت ہیں۔ لیکن ایک ہے الجماعۃ کا تصور، جو احادیث مبارکہ میں لفظ استعمال ہوا۔ الجماعۃ پوری امت مسلمہ ہے جو کلمہ گو مسلمانوں پر مشتمل ہے تو الجماعۃ کا دعویٰ قطعاً ہم نہیں کر سکتے۔ البتہ تنظیم اسلامی ایک اصولی اسلامی انقلابی جماعت ہے جو ہمارے لیے ایک پلیٹ فارم ہے جہاں ہم اپنی انفرادی اور اجتماعی دینی ذمہ داریاں ادا کرنے کے قابل ہو سکیں۔ ہم عرض کرتے ہیں کہ ہمارا دین ایک کامل دین ہے جو زندگی کے انفرادی اور اجتماعی دونوں گوشوں کے لیے راہنمائی دیتا ہے اور اسی مناسبت سے ہم پر فرائض بھی عائد ہوتے ہیں کہ خود اللہ کی

بندگی کرنا، دوسروں کو بندگی کی دعوت دینا اور بندگی والے نظام کو قائم کرنے کی جدوجہد کرنا۔ چونکہ ان فرائض کو ہم اکیلے ادا نہیں کر سکتے اس کے لیے ایک جماعت کا ہونا ضروری ہے تو اس معنی میں ہماری ایک جماعت ہے۔

سوال: تنظیم اسلامی میں شامل ہونے کے لیے بیعت جس کو بانی تنظیم اسلامی منصوص، مسنون، ماثور کہا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ فارم پُر کر کے دستوری طریقہ بھی ہے۔ تنظیم اسلامی میں شمولیت کے لیے بیعت ہی کیوں ضروری ہے؟

جواب: بہت اہم سوال ہے۔ جب ہم نے کہا کہ ہم معروف معنی میں کوئی فرقہ نہیں بلکہ ایک جماعت ہیں تو جماعتیں یا اجتماعیتیں یا گروہ یا گروپس تو اور بھی بہت سارے بنتے ہیں۔ کبھی کوئی سیاسی یا معاشی نوعیت کی بات چلانے کے لیے یا کوئی غلط رسوم کی اصلاح کے لیے لوگ اجتماعی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ تنظیم اسلامی کے پیش نظر چند جزوی قسم کی اصلاحی باتوں کے لیے تحریک چلانا نہیں ہے بلکہ دین اسلام جو ایک کامل ترین دین ہے اور اپنا غلبہ چاہتا ہے تو اس کے غلبہ کے لیے جدوجہد ایک کامل کام ہے۔ لامحالہ آج اللہ کا دین نافذ نہیں ہے تو ظاہر ہے بندوں کا قانون چل رہا ہوگا جس کو ہم چیلنج کرنے کی بات کریں گے تو لامحالہ وہاں سے retaliation بھی آئے گی اور تصادم کی شکل بھی بن سکتی ہے۔ ایسی صورت حال میں کوئی ڈھیلی ڈھالی جماعت یہ جدوجہد کر نہیں سکتی۔ ہمارے پیش نظر یہ ہے کہ غلبہ واقامت دین کی جدوجہد کے لیے ایک منظم جماعت کی ضرورت ہے اور دینی پیراڈائم میں ایسا نظم اور ڈسپلن بیعت کا نظام عطا کرتا ہے۔ جہاں تک کسی جماعت کا دستوری طریقے کے مطابق جدوجہد کرنا ہے تو ہمارے نزدیک اس میں ایک منظم جماعت کا ہونا ایک سوالیہ نشان ہے یا پھر اس میں ایک منفی سرگرمی کے شروع ہونے کا بھی امکان موجود ہے لیکن اس کے باوجود ہم اس کو شرعی طور پر حرام نہیں کہہ سکتے۔ بانی تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمدؒ کو اللہ نے جہاں اور بہت ساری خصوصیات عطا فرمائیں ان میں ایک یہ بھی تھی کہ کسی معاملے یا مسئلہ یا کسی فرد یا اجتماعیت یا کسی فکر کے بارے میں جب وہ تبصرہ فرماتے تو اس کے تمام پہلوؤں کو حتی الامکان کور کر کے اعتدال کی راہ بیان کرتے۔ اس سب کے باوجود کہ وہ شدومد سے اس بات کے قائل رہے اور آج بھی تنظیم اسلامی بیعت کے نظام پر قائم ہے۔ وہ فرماتے تھے کہ دستوری نظام کو ہم حرام نہیں سمجھتے۔

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ تنظیم اسلامی میں شمولیت کے لیے بیعت ہی کیوں ضروری ہے تو نبی مکرم ﷺ کے اسوہ والی جو آیت ہے کہ:

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ (الاحزاب: 21) ''(اے مسلمانو!) تمہارے لیے اللہ کے رسولؐ میں ایک بہترین نمونہ ہے''

زندگی کے تمام امور کے لیے یہ کامل نمونہ ہے۔ اگر اللہ کے رسول ﷺ کا مشن غلبہ دین کی جدوجہد تھا ﴿لیظھرہ علی الدین کلہ﴾ اور پھر اللہ کے رسول ﷺ نے جدوجہد فرمائی، اور آپ ﷺ نے جماعت قائم فرمائی، اور آپ ﷺ نے ہمیں بیعت کا تصور عطا کیا تو آئیڈیل ترین بات یہ بنے گی کہ اقرب الی السنۃ جائیں اور سنت سے ہی آج جماعت بنانے کے لیے راہنمائی حاصل کرنے کی کوشش کریں۔ آپ کے سوال میں تین اصطلاحات تھیں یعنی منصوص، مسنون، ماثور اور چوتھی معقول بھی شامل کر لیں۔ یہ چار اصطلاحات بانی تنظیم اسلامی استعمال فرماتے تھے کہ اجتماعیت کے لیے نظم کیا ہوگا، اس کے لیے دین بیعت کا تصور عطا کرتا ہے۔ یہ منصوص ہے یعنی قرآن مجید کی آیات سے بھی ثابت ہے اور احادیث مبارکہ سے بھی ثابت ہے۔ پھر یہ مسنون بھی ہے یعنی اللہ کے نبی ﷺ نے خود بیعت لے کر ہمیں دکھایا۔ حالانکہ جو حضور ﷺ کی بات نہ مانتا ہو وہ مسلمان کہاں رہ سکتا تھا لیکن چونکہ حضور ﷺ کے جانے کے بعد بھی امت نے چلنا ہے تو آپ ﷺ بیعت کا ڈسپلن عطا کر کے گئے۔ ماثور یعنی خلفائے راشدین کی خلافت، پھر بعد کے ادوار میں امت کی چودہ صدیوں میں تحریکیں چلیں ماضی قریب میں تحریک شہیدین سید احمد شہیدؒ اور شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کی جدوجہد، یہ سب امت کا چودہ صدیوں کا تسلسل بھی یہی بتاتا ہے کہ بیعت کا تصور ہی بہتر ہے۔ اور معقول اس لیے ہے کہ ہر ادارے میں ٹاپ کی اتھارٹی ایک کے پاس ہوا کرتی ہے چاہے نماز کا معاملہ ہو، چاہے کوئی ادارہ ہو یہاں تک کہ کسی کمپنی میں ڈائریکٹر بہت سارے ہوں گے لیکن مینیجنگ ڈائریکٹر ایک ہوگا اور یہی توحید کے لیے بھی دلیل بنتی ہے کہ اس بیعت کے نتیجے میں ایک یکسانیت کا ہونا یا ڈسپلن کا ہونا یہ زیادہ بہتر انداز ہوگا۔ قرآن حکیم میں سورۃ الفتح، سورۃ التوبہ میں بیعت کا ذکر ہے۔ اسی طرح سورۃ الممتحنہ میں عورتوں کی بیعت کا تذکرہ ہمیں ملتا ہے۔ اسی طرح رسول اللہ ﷺ کی کئی احادیث ہیں جن میں آپ ﷺ نے بیعت کا تذکرہ فرمایا۔ آپ ﷺ نے یہاں تک فرمایا کہ اگر کوئی شخص اس حالت میں مر گیا کہ اس کی گردن میں بیعت کا قلادہ نہیں وہ جاہلیت کی موت مرا۔ یہ بات لوگوں کو تلخ لگتی ہے کہ جاہلیت سے مراد کیا ہے۔ ابوجہل کا اصل نام عمرو بن ہشام تھا۔ اس کی کنیت ابوالحکم تھی، وہ دارالندوہ کا سربراہ تھا۔ لیکن جب وحی کے مقابلے میں کھڑا ہوا تو ابوجہل بن گیا۔ جاہلیت کیا ہے کہ وحی کی تعلیم پر عمل درآمد نہ کرنا، وحی کے مطابق نظام کا نہ ہونا۔ اسی طرح امام نسائی ؒ اللہ کے رسول ﷺ کی دس قسم کی بیعتوں کا ذکر فرماتے ہیں۔ جن میں اگر کوئی شخص اسلام میں داخل ہوتا تو آپ ﷺ بیعت لیتے ہیں۔ فتح مکہ کے موقع پر بیعت لینا، راہ خدا میں نکلنے پر بیعت لینا، راہ خدا میں ہجرت کرنے کے لیے بیعت، ہر مسلمان کے ساتھ نصح وخیر خواہی کی بیعت وغیرہ شامل ہیں۔

سوال: تنظیم اسلامی کی فکر اقامت دین کی جدوجہد کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ شاید یہ ڈاکٹر صاحبؒ کی اپنی ایک اختراع ہے اس کا سلف سے کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ کیا یہ بات درست ہے؟

جواب: یہ کہا جانا کہ یہ کوئی نئی بات ہے ایسا نہیں ہے۔ تنظیم اسلامی میں جب ایک رفیق شامل ہوتا ہے تو اس کے سامنے ہم بہت واضح مقصد یہ رکھتے ہیں کہ اللہ کا دین اصلاً فرد کو خطاب کرتا ہے اور فرد کا نصب العین اللہ کی رضا اور آخرت کی نجات ہے۔ یعنی جماعت مقصود نہیں بلکہ اللہ کو راضی کرنا مقصود بن جائے۔ اللہ کی رضا کے حصول کے لیے اللہ کے دین کے تقاضوں پر عمل کرنا لازم ہے۔ وہ تقاضے فرد کے ذاتی وانفرادی معاملات سے لے کر اجتماعی سطح کے مطالبات اور تقاضے بھی شامل ہیں۔ ہماری ایک ذمہ داری خود اللہ کی بندگی، پھر امتی ہونے کے ناطے دعوت دین، اور اسی دعوت دین کے ساتھ اقامت دین کی جدوجہد کرنا۔ فرد کے پیش نظر کیا ہے، اللہ کی رضا اور جماعت کے پیش نظر ہے: اقامت دین کی جدوجہد کرنا، تاکہ فرد اپنے فرائض کو ادا کرنے کے قابل ہو سکے۔ ایک ہے قائم کر کے دکھا دینا، یہ ہم سے اللہ کا تقاضا نہیں، کئی پیغمبر یہ قائم نہیں کر سکے لیکن وہ اللہ کے ہاں کامیاب ہیں لیکن قائم کرنے کی جدوجہد کرنا یقیناً ہمارا فرض ہے۔ عام طور پر کہا جاتا ہے کہ کوئی نئی بات آپ نے کر دی ہے جس کا تصور ہمارے اسلاف میں نہیں ہے یا آپ ایسے فرائض ہم پر تھوپنا چاہتے ہیں جو کہ اللہ کے دین تقاضے ہم سے نہیں ہیں۔ اقامت دین کی جدوجہد کرنا نئی بات نہیں ہے بلکہ چودہ صدیوں سے امت

کے ہاں متفق علیہ یہ معاملات چلے آ رہے ہیں کہ اللہ کا دین کامل دین ہے اس پر انفرادی سطح پر بھی عمل کرنا ہے اور اجتماعی سطح پر بھی اس کے احکام کو نافذ کرنے کی جدوجہد کرنی ہے۔ البتہ جب ہم فقہاء کی طرف دیکھتے ہیں تو ان کی اپنی اصطلاحات ہوتی ہیں۔ بانی تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمدؒ ایک مفکر قرآن تھے تو وہ قرآن مجید کی اصطلاحات استعمال کرتے تھے۔ نتیجے کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں ہے۔ یعنی اگر وہ سورۃ الشوریٰ کی آیت 13 کا حوالہ دے رہے ہیں:

﴿اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ ۭ﴾

”کہ قائم کرو دین کو۔ اور اس میں تفرقہ نہ ڈالو۔“

تو ایسا نہیں ہے کہ یہ بات صرف ڈاکٹر اسرار احمدؒ یا مولانا مودودیؒ یا مولانا ابوالکلام آزادؒ نے ہی کہی ہے بلکہ امت کے اسلاف کی تفسیری آراء کو سامنے رکھیں تو وہ سب اس بات کے قائل ہیں۔ مثال کے طور پر امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں:

”امت پر تمام فرائض میں سے سب سے بڑا فریضہ ہے کہ اللہ کے دین کو غالب کرنے کی جدوجہد کی جائے اس سے کم تر پر نہ ان کی دنیا سنور سکتی ہے نہ آخرت سنور سکتی ہے۔ اللہ کی شریعت کے بہت سارے احکامات اجتماعی زندگی سے متعلق ہیں مثلاً قضاء (عدالتی فیصلے)، افواج، شرعی سزاؤں کے نفاذ کا معاملہ، زکوٰۃ اور عشر کی وصولی اور اس کے خرچ کیے جانے کا معاملہ وغیرہ۔ اگر اللہ کی شریعت نافذ نہ ہو تو ان اعمال پر عمل ہو نہیں سکتا۔“

اسی طرح شاہ ولی اللہؒ خلافت کے مفہوم کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”نبی اکرم ﷺ کی ختم نبوت کے بعد اب ان کی نیابت کرتے ہوئے امت پر فرض ہے کہ وہ اللہ کی شریعت کے نفاذ کی جدوجہد کرے۔“

اسی طرح ہمارے فقہاء کی اصطلاح ہے: نصب امام یا نصب امامت۔ یعنی امت کا ایک امام ہو جو رعایا کے لیے شریعت کو نافذ کرے۔ یہ امامت کا نصب کیا جانا امت پر فرض ہے۔ اسی طرح فقہاء کا ایک اصول ہے: مقدمۃ الواجب واجبۃ۔ اکثر فقہاء کے ہاں فرض اور واجب ایک ہی شے ہے البتہ احناف فرض اور واجب میں تھوڑا فرق کرتے ہیں۔ لیکن عموم کے اعتبار سے فرض اور واجب ایک ہی شے ہے۔ فقہاء فرما رہے ہیں کہ اگر فرض کو ادا کرنے سے قبل کوئی اس کی شرط ہے تو وہ ادا کرنا بھی فرض ہو جائے گا۔ مثال کے طور پر نماز ادا کرنا فرض ہے لیکن وضو کے بغیر ادا نہیں کر سکتے تو وضو کرنا بھی فرض ہو جائے گا۔ اسی طرح شریعت کے بہت سارے احکامات جو اجتماعی زندگی سے متعلق ہیں مثلاً سود کا خاتمہ، زنا کی روک تھام، شراب کی روک تھام، جوئے کی روک تھام، زکوٰۃ وعشر کی وصولی وغیرہ سب احکام فرائض کے درجے میں ہیں۔ ان پر عمل درآمد نہیں ہو سکتا جب تک نظام خلافت قائم نہ ہو اگر ان فرائض پر عمل کرنا لازم ہے تو نظام خلافت کو قائم کرنا بھی فرض کے درجے میں آ جائے گا۔ ایسے بیسیوں دلائل ہمارے اسلاف نے بیان کیے۔ دو کتابوں کا حوالہ دوں گا۔ ماضی میں کتاب چھپتی رہی: ”اسلامی نظام خلافت اور ہماری ذمہ داریاں“۔ مولانا زاہد اقبال صاحب، جامعہ الرشید، کراچی میں استاد الحدیث تھے۔ یہ کتاب برسوں پرانی ہے۔ ہم نے اپنی تنظیم کے مکتبوں پر رکھا اور اپنے اجتماعات میں اس کا مطالعہ کروایا۔ اس میں انہوں نے یہی باتیں لکھی ہیں کہ امت کے اسلاف نے دین کا کیا جامع تصور سمجھا اور اقامت دین کو کس طرح فرض سمجھا اور اس کے لیے انہوں نے کون کون سی اصطلاحات استعمال کیں۔ ماضی کے محدثین، مفسرین، فقہاء کی آراء کیا ہیں اور اب ہماری ذمہ داری کیا ہے۔ اسی طرح ہماری تنظیم کے کوئٹہ کے رفیق ہیں: عبدالسلام عمر۔ آج کل پی ایچ ڈی کر رہے ہیں۔ ان کا علماء سے استفادہ ہے۔ انہوں نے کتاب مرتب کی ہے: ”فرضیت اقامت دین! اسلاف کی آراء اور تعامل کی روشنی میں“ یعنی امت کے اسلاف کا اقامت دین کے بارے میں کیا موقف تھا اور وہ اس پر کتنا عمل پیرا تھے۔ تو ایسا نہیں ہے کہ ڈاکٹر اسرار احمدؒ نے یہ کوئی اپنی طرف سے اصطلاح وضع کر دی ہے جو امت میں کبھی موجود نہ رہی ہو۔

اسی طرح ایک اور نکتہ جس کو بانی محترم نے بھی بڑی وضاحت کے ساتھ بیان فرمایا کہ امت کے چودہ سو سالہ دور میں ایسا نہیں ہوا کہ پورے دین کی عمارت یکدم نیچے گر گئی ہو بلکہ ایسے خلفاء گزرے ہیں کہ جن کے ذاتی کردار تو بہت ہی خراب تھے وہ ظالم وفاسق تھے لیکن ان کے ادوار میں بھی ایک عام مسلمان اپنے بارے میں شریعت کا فیصلہ لینا اور نافذ کروانا چاہتا تو شرعی عدالتیں موجود تھیں۔ اسلامی نظام رفتہ رفتہ زمیں بوس ہونے کی طرف گیا ہے۔ ابوالکلام آزاد یا مولانا مودودیؒ کی جدوجہد ہو یا ہندوستان میں تحریک خلافت کیوں چلی۔ کیونکہ جب رہی سہی خلافت اور امت کی مرکزیت بھی ختم ہو گئی تو پھر اب جڑ سے دوبارہ خلافت کو قائم کرنے کے لیے جدوجہد کرنے کی طرف معاملہ گیا۔ باقی جب اسلامی خلافت قائم تھی اس میں کسی ایک معاملے میں بگاڑ آ گیا تو اس کے لیے اسلاف مجددین آتے تھے اور وہاں اصلاح کرتے تھے۔ لیکن جب 1924ء میں خلافت عثمانیہ کا خاتمہ ہو گیا تو اس کے بعد پھر ضرورت پیش آئی کہ خلافت کی پوری عمارت کا تصور بھی دیا اور اس کو بنیاد سے کھڑا کرنے کی جدوجہد کرنے کی طرف متوجہ کیا جائے۔

سوال: کیا تنظیم اسلامی کی نظر میں ”دین اور مذہب“ دو الگ الگ اصطلاحات ہیں؟

جواب: اس حوالے سے ہم نے احتیاط بھی برتی ہے اور سابقہ امیر تنظیم اسلامی حافظ عاکف سعید صاحب نے اس پر ہمیں متوجہ بھی کیا۔ اسلام دین ہے جس کا بہتر ترجمہ اردو میں نظام بنتا ہے اور انگلش میں سسٹم ہے۔ البتہ انگریزی کا ایک لفظ ہمارے ہاں بھی معروف ہے: religion۔ اور اسی کے ساتھ ایک پرانا جملہ بولا جاتا ہے: Religion is your private affairs it has nothing to do with the State affairs تو اس religion کا ہمارے ہاں عام طور پر مذہب ترجمہ ہوتا ہے یعنی انگریزی کا۔ اور وہ اپنی جگہ ٹھیک ہے اس لیے کہ عیسائیت کا کوئی تعلق نظام سے نہیں ہے۔ انگریزی میں یہ تعریف بالکل درست ہے۔ لیکن Islam is not just a religion its a Deen یہ ڈاکٹر اسرار احمدؒ کے بڑے پیارے الفاظ ہیں کہ اسلام فقط religion نہیں ہے بلکہ یہ انفرادی زندگی سے متعلق بھی راہنمائی دیتا ہے مگر یہ انگریزی والا religion نہیں ہے بلکہ یہ دین انفرادی اور اجتماعی دونوں پہلوؤں کے اعتبار سے راہنمائی عطا کرتا ہے۔ تنظیم اسلامی کے پلیٹ فارم سے اور ماضی قریب کے دیگر اہل علم دانشوروں نے بھی اس نکتہ کو پیش کیا ہے کہ اسلام سے مراد انگریزی والا مذہب نہیں ہے بلکہ یہ دین ہے۔ سورۃ آل عمران میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ ۣ﴾ (آیت:19)

”یقیناً دین تو اللہ کے نزدیک صرف اسلام ہی ہے۔“

اسی طرح سورۃ المائدہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اَلْيَوْمَ يَىِٕسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ دِيْنِكُمْ﴾ (آیت:3)

”اب یہ کافر لوگ تمہارے دین سے مایوس ہو چکے ہیں“

اسی طرح سورۃ البقرۃ میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ

کَآفَّةً ص﴾ (آیت:208)

''اے اہل ایمان! اسلام میں داخل ہو جاؤ پورے کے پورے۔''

جب ہمارے پلیٹ فارم سے یہ بات بیان ہوتی ہے تو اس کے لیے ہم ٹائٹل استعمال کرتے ہیں: دین اسلام کا جامع تصور یا دین اسلام کا ہمہ گیر تصور۔ جس میں انفرادی زندگی بھی ہے اور اجتماعی زندگی بھی۔ لفظ مذہب یا تو ہم انگریزی کا لفظ ریلیجن استعمال کرکے پھر elaborate کرتے ہیں یا ہم احتیاط کرتے ہیں۔ احتیاط کیوں کرتے ہیں؟ ہمارے اسلاف یا فقہی مکاتب فکر جب فقہی مسائل کو بیان کرتے ہیں تو وہ لفظ مذہب استعمال کرتے ہیں۔ عربی میں مذہب بمعنی طریقہ۔ اب نماز کا ایک طریقہ ہے اور فقہ حنفی میں کہا جائے گا: مذہب حنفی یا مسلک حنفی۔ دونوں کو برابر لے سکتے ہیں۔ نماز میں مذہب حنفی کیا ہے: ہاتھ نیچے باندھ لیجیے۔ مذہب شافعی کیا ہے: ہاتھ اوپر باندھ لیجیے۔ مذہب مالکی کیا ہے: ہاتھ چھوڑ دیجیے۔ تو سب ٹھیک ہیں۔ ہمارے نزدیک سب قابل قبول ہیں نسبت نبی اکرم ﷺ کی طرف جا رہی ہے۔ اسی طرح اجتماعی معاملات ہیں ہمارے فقہاء نے سب پر کلام کیا ہے۔ اب جب وہ ان اجتماعی گوشوں کے حوالے سے کلام کریں گے تب بھی یہ بحث آئے گی کہ فلاں مسئلہ میں مذہب شافعی کی یہ رائے ہے، مذہب حنفی کا یہ طریقہ ہے وغیرہ۔ یعنی وہاں مذہب رائے، طریقہ اور مسلک کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ اس میں ہم نے یہ احتیاط کی کہ اب ہم دین اور مذہب کا فرق استعمال نہیں کرتے۔ تنظیم اسلامی میں بھی اہل علم موجود ہیں۔ الحمد للہ۔ پھر ہمارے احباب میں علماء ہیں یا مدارس سے فارغ فضلاء بھی ہمارے دروس میں آتے ہیں تو ایک کنفیوژن کا امکان ہو سکتا تھا۔ سوال اٹھتا تھا کہ کیا امام ابوحنیفہؒ نے پورے دین پر بات نہیں کی؟ کیا امام شافعیؒ نے پورے دین پر بات نہیں کی؟ ہم کہتے ہیں کہ بالکل بات کی ہے لیکن موجودہ دور میں انگریزی کا لفظ ریلیجن اسلام کے لیے بھی استعمال ہو رہا ہے اور بدقسمتی سے اس ریلیجن کا ترجمہ مذہب کر دیا گیا۔ ہم یہ کہہ رہے کہ اسلام انگریزی والا ریلیجن نہیں جس کو کچھ لوگ اردو میں مذہب کہتے ہیں۔ تو ہم اس Religion vs Deen e Islam کے contrast یا difference کو بیان کر رہے ہوتے ہیں اس بات کو اون کرتے ہوئے کہ فقہاء نے تمام مسائل دین کو بیان کیا اور وہ لفظ مذہب کی اصطلاح کے معنی میں استعمال کرتے ہیں۔ اچھا یہ بات کہ یہ تنظیم اسلامی نے کوئی نئی بات پیش کر دی؟ بالکل ایسا نہیں ہے۔ بلکہ ہمارے تمام اسلاف نے ﴿ادخلوا فی السلم کافة، الیوم اکملت لکم دینکم﴾ کی ماضی اور حال کی تفاسیر کو دیکھ لیں سب نے انفرادی اور اجتماعی زندگی دونوں پر کلام کیا البتہ آج اس کو بیان کرنے میں اصطلاحات مختلف ہو سکتی ہیں۔ ڈاکٹر اسرار احمدؒ فرمایا کرتے تھے کہ سیاسیات میں زندگی کو دو حصوں میں بیان کیا جاتا ہے ایک individual life اور دوسری collective life۔ اب ظاہر ہے یہ انگریزی کا لفظ ہے جو عربی کی تفاسیر میں تو نہیں ملے گا کیونکہ یہ اصطلاح آج کی ہے۔ لیکن بات وہی بیان کی جا رہی ہے جو پوری امت سمجھتی ہے۔

سوال: کیا ''فرائض دینی کا جامع تصور'' کا خاکہ قرآن و حدیث سے ثابت ہے؟

جواب: بانی تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمدؒ نے فرائض دینی کو تین سطحوں پر بیان فرمایا۔ ایمان کا بیان بھی آتا ہے کہ اقرار باللسان کے ساتھ تصدیق بالقلب بھی ضروری ہے۔ اس کو بھی ایک تقاضے کے طور پر ہم بیان کرتے ہیں۔ ہمارے ہاں عموم کے طور پر تین بنیادی فرائض کا ذکر آتا ہے۔ 1۔ خود اللہ کا بندہ بننا، 2۔ دوسروں کو اللہ کی بندگی کی دعوت دینا۔ 3۔ اللہ تعالیٰ کی بندگی پر مبنی نظام کو قائم کرنے کی جدوجہد کرنا۔ پھر اس کے لیے قرآن حکیم کی آیات کو پیش کرتے ہیں۔ یہ واضح کر دوں کہ جب ہم قرآن کا ذکر بار بار کرتے ہیں تو اس کے ساتھ صاحب قرآن ﷺ بھی شامل ہیں۔ کیونکہ ماضی میں ایک اعتراض اٹھتا رہا کہ جب کبھی کوئی تحریک قرآن کے نام پر اٹھتی رہی تو پھر اس کی کوکھ سے فتنہ انکار حدیث نے جنم لیا۔ لیکن پیش نظر قرآن جمع سنت رسول ﷺ یا قرآن جمع حدیث رسول ﷺ دونوں ہیں کیونکہ یہ دین کی جڑ اور بنیاد ہے۔ بہرحال تین فرائض کے لیے اصطلاحات بھی قرآن حکیم کی ہیں۔ بہت تفصیل میں اگر ہم جائیں تو ایک ایک فریضہ کے لیے چار اصطلاحات قرآنی ہیں۔ میں ایک ایک مقام قرآن کا بیان کر دیتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کے لیے فرمایا کہ میں نے اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے خود اللہ کا بندہ بننا قرآنی اصطلاح میں عبادت رب ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ۝﴾ (الذاریات)

''اور میں نے نہیں پیدا کیا جنوں اور انسانوں کو مگر صرف اس لیے کہ وہ میری بندگی کریں۔''

اسی کا اقرار ہم نماز کی ہر رکعت میں کر رہے ہیں: (ایاك نعبد) اسی کی دعا ہے جو ہر نماز کے بعد اللہ کے رسول ﷺ کر رہے ہیں:

((اللھم اعنی علی ذکرک وشکرک وحسن عبادتک))

بہرحال اللہ کی بندگی انسان کی اپنی ذات سے متعلق جس میں سارے معاملات ایمانیات، معاملات، رسومات، اخلاقیات، رزق حلال کمانا، حقوق العباد وغیرہ یہ سب میری ذات سے متعلق ہو گئے۔ لیکن اس کے بعد صرف اللہ کے بندے نہیں بلکہ خاتم النبیین محمد مصطفیٰ ﷺ کے امتی بھی ہیں۔ چنانچہ امتی ہونے کے ناطے مزید براں ہم پر فرائض عطا ہوتے ہیں۔ کیونکہ اس امت کو اللہ تعالیٰ نے شہادت علی الناس کے فریضے کے لیے کھڑا کیا۔ یعنی دوسروں کو اللہ کی بندگی کی دعوت دینا جس کو مختلف پیرایوں میں قرآن پاک بیان کرتا ہے۔ شہادت علی الناس (لوگوں پر اللہ کے دین کی گواہی) کی اصطلاح بھی آئی ہے۔

سورۃ البقرۃ میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ط﴾ (البقرہ:143)

''اور (اے مسلمانو!) اسی طرح تو ہم نے تمہیں ایک اُمتِ وسط بنایا ہے۔ تاکہ تم لوگوں پر گواہ ہو اور رسولؐ تم پر گواہ ہو۔''

اب حضور ﷺ کی ختم نبوت کے بعد ان کے behalf پر امتیوں نے یہ کام کرنا ہے۔ امام قرطبیؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص یہ کام نہ کرے وہ امتی کہلانے کا مستحق ہی نہیں۔ یعنی ہر امتی پر فرض ہے کہ وہ دعوت دین کا کام کرے۔

تیسری بات، دعوت دینا کافی نہیں اللہ کے رسول ﷺ سے بڑھ کر داعی کون ہو گا بلکہ آپ ﷺ تو داعی اعظم اور مبلغ اعظم ہیں مگر آپ ﷺ کا خون طائف میں اور احد میں بہتا ہے، آپ ﷺ آنسو بھری آنکھوں سے بیت اللہ کو الوداع کہتے ہیں، پھر ستر صحابہ کی جانوں کا نذرانہ اللہ کی راہ میں پیش کرتے ہیں۔ آپ ﷺ نے تلوار بھی اٹھائی ہے۔ یہ سب کس لیے؟ قرآن حکیم بتاتا ہے کہ حضور ﷺ کا مشن تھا:

﴿لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ﴾ (الصف:9)

''تاکہ غالب کر دے اس کو پورے نظام زندگی پر''

یعنی آپ ﷺ کو قرآن دیا گیا، دین دیا گیا تاکہ آپ ﷺ اس کو غالب کریں۔اب یہ قائم کرنا اس کے لیے اقامت دین کی اصطلاح ہے۔سورۃ الشوریٰ کی آیت 13 میں پانچ اولوالعزم رسولوں (نوح، ابراہیم، موسیٰ، عیسیٰ علیہم السلام اور نبی اکرم ﷺ) کو جو حکم دیا جارہا تھا وہی ہمیں فرمایا جارہا ہے (شرع لکم) تمہیں بھی وہی حکم دیا جارہا ہے۔ پھر آگے الفاظ آئے:

﴿اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ ؕ﴾ (الشوریٰ:13)

''کہ قائم کرو دین کو۔اور اس میں تفرقہ نہ ڈالو''

(اس بارے میں ڈاکٹر اسرار احمدؒ کا کتابچہ ''فرائض دینی کا جامع تصور'' جس میں تفصیلی اس موضوع پر بحث کی گئی ہے۔)اس میں ایک سوال بنتا ہے کہ کیا یہ فرائض دینی کا تصور ڈاکٹر صاحب کی اپنی اختراع ہے؟ تو اس حوالے سے قرآن پاک کی آیات پیش کی گئی ہیں، پھر نبی اکرم ﷺ کی سیرت اور اسوہ دیکھ لیں اور امت کے اسلاف کا طریقہ بھی دیکھ لیں۔اس سے پہلے اسلاف میں سے دو شخصیات کی مثالیں دی گئیں پھر دو کتابوں کا حوالہ دیا گیا جن میں تفصیل سے بحث کی گئی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کوئی نئی بات نہیں ہے بلکہ امت اس پر اتفاق کرتی چلی آئی ہے۔حتیٰ کہ اسی کی دہائی میں ڈاکٹر اسرار احمدؒ نے محاضرات قرآنی کا سلسلہ شروع کیا جن میں مختلف علماء کرام کو دعوت دی۔ اور اپنا یہ فرائض دینی کا جامع تصور لکھ کر ان کے سامنے رکھا اور ان کو کہا گیا کہ تنقید کرنا چاہتے ہیں تو کریں اور کوئی اصلاح طلب بات ہے تو اس کی اصلاح کریں۔لیکن تقریباً سب نے کہا کہ تصور کی حد تک بات بالکل درست ہے کہ ہماری ذمہ داری فقط ذات تک محدود نہیں بلکہ انفرادی سطح سے آگے بڑھ اجتماعی سطح پر بھی ہماری دینی ذمہ داریاں ہیں جس میں دعوت دین اور اقامت دین کی جدوجہد کرنا شامل ہے۔

سوال: اب کچھ نظریات ایسے سامنے آرہے ہیں کہ اب دین دوبارہ قائم نہیں ہوگا کیونکہ پہلے اسلام کا دور تھا، اب دوسرے مذاہب کا دور ہے۔کیا اب اسلام کا عروج دوبارہ نہیں ہوسکتا؟

جواب: یہ کہنا کہ اسلام قائم نہیں ہوسکتا، یہ تصور آیات قرآنی کے اشاروں اور احادیث میں بیان کی گئیں تفصیلات کے بھی خلاف ہے۔قرآن حکیم میں اشارے موجود ہیں جن کو بانی تنظیم اسلامی صغریٰ کبریٰ جوڑ کر بیان کرتے تھے۔قرآن حکیم بتاتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی رسالت یونیورسل ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا﴾ (سبا:28)

''اور (اے نبی ﷺ!) ہم نے نہیں بھیجا ہے آپ کو مگر تمام بنی نوع انسانی کے لیے بشیر اور نذیر بنا کر''

اسی طرح نبی اکرم ﷺ سے کہلوایا گیا:

﴿قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا﴾ (الاعراف:158)

'' (اے نبی ﷺ!) کہہ دیجیے اے لوگو! میں اللہ کا رسول ہوں تم سب کی طرف''

پھر قرآن حکیم نبی اکرم ﷺ کے مشن کو تین مرتبہ بیان فرماتا ہے:

﴿هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ﴾ (الصف:9)

''وہی ہے (اللہ) جس نے بھیجا اپنے رسولؐ کو الہدیٰ اور دین حق کے ساتھ تاکہ غالب کردے اس کو پورے نظام زندگی پر''

ظاہر فرمانا اگر صرف الفاظ تک ہوتا تو پوری کائنات میں سب سے قیمتی خون تو نبی ﷺ کا ہے کیا اللہ اسے بہنے دیتا؟ نبیوں کے بعد قیمتی ترین جماعت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ہے۔اگر صرف ظاہر الفاظ سے کرنا مقصود ہوتا تو کیا اللہ کے رسول ﷺ کسی ایک صحابی کی بھی جان جانے دیتے اللہ کی راہ میں؟ یہ بڑی عجیب بات ہے۔وہ صغریٰ کبریٰ کیا ہے؟ حضور ﷺ کی رسالت تمام انسانیت کے لیے ہے۔ حضور ﷺ کا مشن ہے کہ اس طرز زندگی پر اللہ کا دین غالب ہوجائے۔ڈاکٹر صاحب یہ نتیجہ نکالتے تھے کہ جب تک اللہ کا دین کل روئے ارضی پر غالب نہ ہوجائے تو حضور ﷺ کا مشن پایۂ تکمیل کو نہیں پہنچے گا۔یہی وجہ ہے رسول اللہ ﷺ کے دور میں دین کا غلبہ عرب پر ہوا تو غزوۂ تبوک کی صورت میں آپ ﷺ نے اس کی توسیع کا آغاز فرمادیا۔اس کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں 22 لاکھ مربع میل پر اور پھر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں 44 لاکھ مربع میل تک اسلام کا غلبہ ہوا۔لیکن بقول شاعر ؎

وقت فرصت ہے کہاں کام ابھی باقی ہے
نور توحید کا اتمام ابھی باقی ہے

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

''اللہ نے مجھے پوری زمین کو لپیٹ کر (یا سکیڑ کر) دکھادیا۔ چنانچہ میں نے اس کے سارے مشرق بھی دیکھ لیے اور تمام مغرب بھی۔اور یقین رکھو کہ میری اُمت کی حکومت ان تمام علاقوں پر قائم ہوکر رہے گی جو مجھے لپیٹ کر (یا سکیڑ کر) دکھائے گئے۔'' (صحیح مسلم)

یہ اب تک تو نہیں ہوا۔اسی طرح کی کچھ اور صحیح احادیث موجود ہیں جن میں یہ بشارتیں موجود ہیں کہ کل روئے ارضی پر اللہ کا دین غالب ہوگا۔اب اگر واضح قرآنی اشارات اور احادیث کو سامنے رکھنے کے بعد کوئی صاحب ایمان کا دعویدار ہو اور وہ یہ کہہ بیٹھتا ہے کہ یہ ہونے والی بات نہیں ہے تو وہ ان کا انکار کررہا ہے۔ڈاکٹر اسرار احمدؒ فرماتے تھے کہ اگر رسول اللہ ﷺ کی بشارات نہ ہوتیں۔

آج امت کی حالت کو دیکھتے ہوئے ہم بھی کہتے کہ اسلام کا دوبارہ عروج ایک خواب ہے۔لیکن جب اللہ کے رسول ﷺ نے فرما دیا تو اسلام کا عروج ہو کر رہے گا۔

کب ہوگا؟ اللہ بہتر جانتا ہے۔میرا مسئلہ یہ ہے کہ میری ابھی موت واقع ہوجائے تو میں اللہ کو کیا جواب دوں گا؟ تو میں اس کام میں اپنا حصہ ڈالنے کا پابند ہوں۔حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معروف الفاظ ہیں: میں آنے والے دور کے لیے راستے کو صاف کررہا ہوں۔ظاہر ہے آنے والا دور رسول اللہ ﷺ کا ہے۔حالانکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان چھ صدیوں کا فصل ہے لیکن عیسیٰ علیہ السلام فرمارہے ہیں کہ میں آج راستے کو صاف کررہا ہوں۔ایک امتی کو یہ سوچنا چاہیے کہ وہ راستہ صاف کررہا ہے یا خراب کررہا ہے، وہ اپنا حصہ ڈال رہا ہے یا معاذ اللہ اس کے مخالف جارہا ہے۔رفیق تنظیم یا ایک مسلمان کے پیش نظر اللہ کی رضا اور آخرت کی کامیابی ہے۔چاہے دنیا کی زندگی میں دین قائم نہ ہو، کتنے نبیوں کے ہاتھوں نہیں ہوا، کتنے صحابہ کی زندگیوں میں نہیں ہوا لیکن وہ اپنا کام کرگئے وہ اللہ کے ہاں کامیاب ہیں۔لیکن دین غالب ہوگا ضرور کیونکہ یہ وضاحت احادیث مبارکہ میں ہے۔اقامت دین کی جدوجہد کرنا ہماری اہم ذمہ داری ہے۔دین قائم ہونے یا نہ ہونے کی شاذ آراء ماضی میں بھی ہوں گی، آج بھی ہیں لیکن امت میں مجمع علیہ معاملہ چلا آیا ہے۔ان فرائض کے حوالے سے امت کا بالکل واضح موقف رہا ہے۔

۞۞۞

8 مارچ کا عورت مارچ اور خواتین کے حقوق

سید علی شاہ حقانی

اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کی تخلیق ایک مرد اور عورت سے کی ہے اور پھر عورت کو مرد کی وزیر اور نائب کی حیثیت دے کر زندگی کی گاڑی کے دو پہیوں کی مانند بنایا۔ اللہ تعالیٰ نے سب انسانوں کو برابر بنا کر فضیلت کا معیار تقویٰ قرار دیا جس میں کسی مرد یا عورت کی تخصیص نہیں ہے۔ جس مغرب نے عورت کو ہمیشہ ظلم وستم کا نشانہ بنایا اور مغربی معاشرے میں اس کو مرد کی تسکین کا ذریعہ بنایا وہی مغرب اپنی مغربی اقدار، تہذیب اور مادر پدر آزاد معاشرے کی ترویج کے لیے نت نئے ہتھکنڈے استعمال کر رہا ہے۔ کبھی انسانی حقوق کی پامالی، کبھی میڈیا کی آزادی تو کبھی خواتین کے حقوق۔ جہاں تک اسلام کا تعلق ہے تو اسلام انسانی حقوق کا علم بردار، آزادی اظہار رائے اور خواتین کے حقوق کا ضامن ہے لیکن شتر بے مہار آزادی کا اسلام میں کوئی تصور نہیں، بلکہ اسلام میں ایک خاص حد تک ہر عمل کی آزادی ہے۔ جہاں تک خواتین کا تعلق ہے تو اسلام خواتین کے حقوق کا سب سے بڑا محافظ ہے۔ نبی کریم ﷺ نے جب کوہ صفا پر اسلام کے آفاقی نظام کا باقاعدہ اعلان فرمایا تو اسے قبول کرنے کے لیے کوئی مرد تیار نہ تھا بلکہ وہ حضرت خدیجہ ؓ کی صورت میں ایک عورت ہی تھی جس نے اس نظام کی قبولیت کے لیے لبیک کہا۔ ایسے ہی دین کے تحفظ اور احیاء کے لیے حضرت سمیہ ؓ عورت ہی تھی جس نے جان کا نذرانہ پیش کر کے اسلام کی پہلی شہیدہ کا اعزاز حاصل کر لیا۔ یہ اسلام ہی تھا جس نے یہ اعزازات عورت کو دے کر انہیں احساس محرومیوں کی دنیا سے نکال کر ایک نیا مقام دیا۔ لیکن اسلام کے برعکس دیگر مذاہب کے پیروکاروں نے اپنی عیش پرستی کے لیے خدائی قوانین میں خود ساختہ ترامیم کر کے عورت کو ذلت اور پستی کے مقام پر لا کھڑا کر دیا۔ یونان کبھی دنیا میں تہذیب کی بلندیوں پر براجمان تھا لیکن خواتین کے حوالے سے اخلاقی پستی سے مزین سیاہ کارناموں کا تاریک باب ہے۔ یورپ اور مغربی اقوام کا حال ان سے کچھ زیادہ مختلف نہیں۔ ایسے ہی کردار کی وجہ سے آج کے ترقی یافتہ ممالک فادر، مدر اور عورت جیسے ڈیز منا رہے ہیں ورنہ اسلام میں سال بھر والدین اور بیوی بچوں سے بے خبر مرد کیسے ایک روز منا کر ان کے حقوق سے بری الزمہ ہو سکتے ہیں۔ یہ لوگ خواتین کے حقوق کا ڈراما رچا کر کیا حاصل کرنا چاہتے ہیں۔

1908ء میں امریکہ کے شہر نیویارک میں سب سے پہلے خواتین کے حقوق کے لیے پندرہ ہزار خواتین نے مارچ کیا جس کا بنیادی مقصد عورتوں کے ساتھ کیے جانے والے معاشی و معاشرتی ظلم وجبر کے خلاف آواز بلند کرنا تھا۔ اگلے سال 1909ء میں امریکہ کی سوشلسٹ پارٹی نے 28 فروری کو خواتین کا قومی دن منانے کا اعلان کیا جبکہ آسٹریا، ڈنمارک، جرمنی اور سوئٹزرلینڈ میں 19 مارچ کو اس دن کو منانے کا اعلان ہوا تاہم اقوام متحدہ نے پہلی بار 1958ء میں 8 مارچ کو خواتین کا عالمی دن مقرر کیا۔ تب سے اکثر مغربی ممالک میں اس دن کو بڑے اہتمام سے منایا جاتا ہے جو اب محض ایک رسم بے معنی بن گیا ہے اور رفتہ رفتہ ویلنٹائن ڈے کی طرح ایک تہوار کی صورت اختیار کرتا جا رہا ہے جس میں خواتین کے حقوق کا کوئی سنجیدہ مطالبہ نہیں کیا جاتا۔ کلام الملوک ملوک الکلام کے مصداق غلام قوم آقا ہی کی بادشاہت میں بات کرنے پر مجبور ہوتی ہے۔ آئی ایم ایف اور دیگر عالمی مالیاتی اداروں کے قرضوں میں محصور پسماندہ اور بالخصوص اسلامی ممالک عالمی اداروں کے ہاتھوں مجبور ہو کر مغرب کی نقالی میں اس کے تہواروں کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ غیر مسلم ممالک کی طرح اسلامی ممالک میں بھی یہ دن آہستہ آہستہ پنجے گاڑھ رہا ہے۔ پاکستان میں پہلی بار 8 مارچ 2018ء کو کراچی میں عورت مارچ کا انعقاد کیا گیا۔ مختلف NGO,s سے تعلق رکھنے والے چند سو مرد و خواتین نے خواتین کے حقوق کے نام پر عورت مارچ کیا جس میں خواتین کے بنیادی مسائل اجاگر کرنے کی بجائے گمراہ کن نعرے لگائے گئے یہاں تک کہ مارچ میں شریک ایک ادھیڑ عمر شخص نے کہا کہ جب تک معاشرے سے نکاح کا رجحان ختم نہیں کیا جاتا اس وقت تک عورت مارچ کے مقاصد پورے نہیں ہوں گے۔ کراچی مارچ پر مقتدر حلقوں کی خاموشی نے ان لوگوں کو حوصلہ دیا جس کے بعد یہ سلسلہ بڑھتا ہوا مختلف شہروں میں پھیل گیا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ عورت مارچ کی منزل، ایجنڈا اور مقاصد بھی واضح ہونے لگے۔ جیسا کہ ان کے حیا باختہ اور شرمناک نعروں سے صاف ظاہر ہے۔ کیا اعلیٰ طبقے کے امیر گھرانوں کے معدودے چند افراد کے نعروں سے 58 فیصد آبادی پر مشتمل خواتین کی نمائندگی ہو سکتی ہے؟ اس طرح احتجاجی مظاہروں اور عوامی مارچ کا ایک فائدہ تو نکل آتا ہے کہ کچھ لوگ اس کے نتیجے میں ذاتی فوائد حاصل کر لیتے ہیں لیکن وہ بیوہ خواتین، یتیم بچیاں اور ان جیسے لاتعداد مسائل سے دوچار ادنیٰ طبقے کی لڑکیاں جو جہیز کی عدم دستیابی کی وجہ سے گھروں میں زندگی گزار رہی ہیں، ان کو کوئی فائدہ مل رہا ہے؟ وراثت سے محروم خواتین کے بارے میں ابھی تک کسی غیر سرکاری تنظیم نے کبھی ایک سیمینار کا انعقاد کیا ہے؟ کیا عورت کے حقوق بے پردگی ہیں جس پر ہمارے انسانی حقوق کے کارکن صف ماتم بچھائے ہوئے ہیں۔ کیا وہ بچیاں جو اپنے دستور کے مطابق مخلوط تعلیم سے بے زار ہیں۔ کیا انہیں تعلیم حاصل کرنے کا حق حاصل نہیں، ہمارے آئین کے تحت ہر شہری کو تعلیم کا حق حاصل ہے، کیا باپردہ بچیوں کو تعلیم حاصل کرنے کا حق حاصل نہیں۔ آج تک ہمارے دیہاتوں میں کتنی باصلاحیت بچیاں ہیں جو محض مخلوط تعلیمی اداروں کی وجہ سے تعلیم ادھوری چھوڑ کر گھر بیٹھ جاتی ہیں۔ چاہیے تو یہ تھا کہ حقوق نسواں کے نام پر قائم بے شمار تنظیمیں ایک مہم چلاتیں کہ مخلوط تعلیم کی وجہ سے بچیاں تعلیم سے محروم ہو رہی ہیں لہٰذا غیر مخلوط تعلیمی ادارے قائم کیے جائیں لیکن الٹا باحجاب طالبات کو تعلیم کے زیور سے محروم کر دینے والے سیکولر ہندوستان کے خلاف موم بتی مافیا نے ایک بیان تک نہیں دیا۔ انسانی حقوق کی تنظیمیں اس اقدام پر خاموش ہیں کیونکہ بھارت مغرب کا لاڈلا ہے اور ہمارے یہ نام نہاد دانشور اور انسانی حقوق کی علم بردار تنظیمیں مغرب کو ناراض کرنے کی غلطی مول نہیں لے سکتیں۔ آج جدید دنیا میں بھارت میں مسلم خواتین کی بولی لگائی جاتی ہے کیا یہ انسانیت اور خواتین کی تذلیل نہیں؟

دوسری طرف حکومتِ پاکستان نے اس معاملے میں اپنے پیش رو کی طرح خاموش اجازت دے دی ہے۔ وفاقی وزیر مذہبی امور نور الحق قادری نے وزیر اعظم عمران خان کے نام خط میں مشورہ دیا ہے کہ 8 مارچ کو سرکاری یوم حجاب منایا جائے جو کہ ہماری دانست میں ایک معقول مشورہ ہے۔ موصوف نے اپنے خط میں یہ سراحت نہیں کی ہے کہ عورت مارچ پر پابندی لگائی جائے لیکن مارچ کے منتظمین اور بعض سیاسی جماعتوں کی خواتین رہنماؤں نے اسے خواتین کی آزادی پر قدغن قرار دیا ہے۔ ہمارے ایک وفاقی وزیر فواد چودھری نے اس تجویز کو مسترد کر دیا ہے۔ جہاں تک وزارت مذہبی امور کے خط کا تعلق ہے یہ اس لیے مناسب مشورہ ہے کہ ایک طرف بھارت کی سب سے بڑی اقلیت کی خواتین کے حجاب پر پابندی کی بازگشت سنائی دی جا رہی ہے وہاں پاکستان خواتین کے عالمی دن کو یوم حجاب سے منسوب کر کے دنیا کو بھارت کے اس ظالمانہ اقدام کی طرف توجہ مبذول کر سکتا ہے۔ لیکن اگر حکومت یہ کام نہیں کر سکتی تو کم از کم عورت مارچ کے لیے کوئی ضابطہ اخلاق مقرر کیا جائے تا کہ عورت مارچ خواتین کے حقیقی تحفظ کا ترجمان بن سکے ورنہ ایک دفعہ پھر ملک میں لبرلز اور اسلام پسند طبقوں کے درمیان کشیدگی پیدا ہو جائے گی جیسا کہ پچھلے سال پابندی نہ ہونے کی وجہ سے مذہبی جماعتوں کی خواتین کو باہر نکلنا پڑا۔ جیسے 18 فروری کو جمعیت علماء اسلام کے امیر مولانا فضل الرحمن کی کال پر جے یو آئی کے خواتین ونگ نے بھارتی خواتین کے ساتھ بطور یکجہتی یوم حجاب منایا تھا جس میں شرکاء نے واضح طور پر عورت مارچ کی مخالفت کر کے بزورِ طاقت روکنے کا عندیہ دیا تھا۔ موجودہ وقت میں یقیناً پاکستان پُرتشدد مظاہروں کا متحمل نہیں ہو سکتا لہٰذا حکومت ہنگامی بنیادوں پر اقدامات کر کے عورت مارچ میں گمراہ کن اور توہین آمیز نعروں پر پابندی لگا دے تا کہ خواتین کے حقوق متنازعہ ہونے کی بجائے اس صنف نازک کے لیے نیک شگون ثابت ہوں۔ جبکہ خواتین کے حقوق کے لیے ایک اعلیٰ سطح کمیشن قائم کر کے خواتین کے حقوق کے قوانین کا ازسرِ نو جائزہ لے کر اسلامی نظریاتی کونسل کی سفارشات کے مطابق ایک مؤثر قانون لاگو کیا جائے تا کہ عورت مارچ کے نام پر قوم کی بچیوں کی عزت اچھالنے کا سلسلہ ہمیشہ کے لیے بند ہو جائے۔

❀❀❀

کارِ تریاقی

اگر خون کے چھینٹے دیکھیں......

عامرہ احسان
amira.pk@gmail.com

افغانستان سے روس کے انخلا (1989ء) کے بعد غلغلہ تھا سرد جنگ کے خاتمے، کمیونزم کے خاتمے، سرمایہ دارانہ نظام اور جمہوریت کی فتح کا۔ گلوبل ویلیج کے نئے چودھری کے طور پر امریکا کی مکمل بلاشرکتِ غیرے بالادستی مسلّم تھی۔ یک قطبی دنیا اور اس پر فرعونی اقتدار کا نشہ دیدنی تھا۔ جنگ خلیج میں امریکی صدر بش سینئر کا یہ فرمان (رائٹر) کہ یہ ایک چھوٹے سے ملک سے بہت بڑھ کر ایک تصور ہے۔ ایک نیا عالمی نظام۔ نیو ورلڈ آرڈر! سعودی عرب میں امریکی فوجیوں کو خوش آمدید کہتے، ان کے درمیان گھرے صدر بش کی فاتحانہ مسکراہٹ دیدنی تھی۔ اس کے بعد نائن الیون ہوا۔ بلاشرکتِ غیرے قوت کا مرکز امریکا، اور اس کی ایک للکار پر پوری دنیا اس کے جلو میں افغانستان پر ٹوٹ پڑنے کو تیار! تاریخ عالم نے ایسا منظر کب دیکھا ہوگا۔ خیال تھا کہ دنوں میں افغانستان تہس نہس کر کے، بدلہ چکا کر کہانی مکمل ہو جائے گی۔ امریکی تجزیہ کاروں، تھنک ٹینکوں نے بہت تھیوریاں لڑھکائیں۔ دعوے کیے۔ End of History... تاریخ بھی گویا آخری موڑ مڑ گئی۔

پھر اس کے بعد 20 سال چل سو چل۔ مسلمان ممالک اجاڑنے، کمیونزم کی جگہ اسلام کے خلاف سرد نہیں جہنم زار قسم کی کھلی جنگ چل پڑی۔ شرق تا غرب، عراق، شام، یمن، لیبیا، شمالی افریقہ کے ممالک، کھلی چھٹی دیکھ کر میانمار کے بدھ، بھارت کا مودی، یورپ میں بالخصوص فرانس اسلام اور مسلمانوں پر پل پڑے۔ پلوں کے نیچے مسلمانوں کے خون میں رنگا بہت سا پانی بہہ گیا۔ تاہم انہی پلوں کے اوپر امریکا نیٹو کے جہاز دبے پاؤں اپنے فوجیوں کے تابوت، معذور، پاگل، نفسیاتی فوجی مریض لے جاتے ہانپ گئے۔ یہاں تک کہ دنیا نے ایک نئی صبح طلوع ہوتے دیکھی۔ 29 فروری 2020ء میں یک قطبی دنیا کا چودھری مذاکرات کی میز پر بیٹھا نہتے طالبان سے دوحہ معاہدے پر دستخط کر کے (جان بچی سو لاکھوں پائے!) اس جنگ سے نکلنے کی راہ پا لینے میں کامیاب ہو گیا! پوری دنیا کی بحری بری ہوائی بے مثل فوجی قوت، جدید ترین عسکری وسائل جھونکے گئے۔ دنیا عمامہ پوش سادہ شرعی حلیوں میں ملبوس سکینت بھری فتح کے دور میں داخل ہوتے طالبان کو بہ صد حیرت وحسرت و یاس دیکھنے پر مجبور تھی۔

اسی دوران یک قطبی دنیا میں چین دبے پاؤں معاشی، دفاعی اور سیاسی اعتبار سے قوت بن کر ابھرنے لگا۔ روس بھی کھوئی ہوئی طاقت کی بحالی میں لگا رہا۔ خاموشی سے مکمل منظر بدلا، تا آنکہ دیکھتے ہی دیکھتے 15 اگست 2021ء کو طالبان کابل اور پورے افغانستان پر چھا گئے۔ امریکی انخلا C-17 میں جس خونچکاں افراتفری اور شرمناک ہڑبونگ میں ہوا وہ تاریخ میں ثبت ہو گیا۔ امریکا گھر پہنچ کر ابھی سانس درست کر رہا تھا، زخمی معیشت، موسمی شدید تھپیڑے حال خراب کرتے رہے۔ طالبان سے بدلہ لینے کو افغان عوام کے اثاثے دبا کر انہیں سسکاتے رہے کہ ایک ناگہانی آن پڑی۔ ساری جنگیں اور ہتھیار ہماری زمینوں پر آزمانے والوں کو یورپ میں لینے کے دینے پڑ گئے۔ دھمکیاں دیتا روس اچانک یوکرین میں جا گھسا۔ پہلے اس کے دو صوبوں کو آزاد ریاستیں قرار دے کر تسلیم کیا، پھر امن قائم کرنے کو اپنی فوج داخل کر دی۔ اب یہ امن کا متوالا یوکرین پر مشرق، شمال جنوب سے چڑھ دوڑا۔ 40 میل لمبا روسی ٹینکوں و دیگر کا قافلہ کیف کے مکمل گھیراؤ کے لیے چل پڑا۔ امریکا یورپی یونین جنگ سے دامن بچائے چپکے بیٹھے ہیں۔ امریکا کا نشہ اتر کر اب روس پر جا چڑھا ہے۔ روس کا بھی نشہ پہلے افغان توڑ چکے، اب دیکھیں کیا ہوتا ہے۔ روس کے اس اچانک اقدام نے پورے گلوب پر زلزلہ برپا کر دیا۔ مغرب نے معاشی پابندیاں عائد کر کے روس کا گلا گھونٹنے کی کوشش کی

ہے۔ غیر ملکی اثاثے منجمد کیے ہیں۔ تاہم مغرب کے لیے اہم ترین روسی تیل گیس و دیگر خام مال کے اثاثے بند ہوجانے کی بلا کچھ کم نہیں۔

یوکرین میں استعماری مفادات سینگ لڑا رہے ہیں۔ لاکھوں افراد شدید سردی میں دربدر ہیں۔ دنیا بھر کے عوام مفاداتی جنگ بازوں کے نرغے میں چر کے کھا رہے ہیں۔ یوکرین میں جنگ نے ہمارے ہاں مہنگائی کی نئی لہر دوڑا دی۔ یوکرین اگرچہ غیر متوقع طور پر زبردست مزاحمت دکھا رہا ہے، تاہم یوکرین صدر کی یہ دہائی ہے کہ دنیا نے اسے تنہا چھوڑ دیا۔ نیٹو، امریکا نے یوکرین کے دفاع کے لیے زبانی جمع خرچ کے ساتھ یوکرین کو اسلحے کی فراہمی سے مدد اور حوصلہ افزائی فرمائی ہے۔ اصلاً امریکا نیٹو کی کمزور سیاسی ساکھ اور معیشت کی دگرگوں صورت حال نے اسے کھوکھلا کر دیا ہے۔ افغانستان کے چرکے بھاری پڑے۔ حال یہ ہے کہ:

کوئی آکھے پیڑ لکے دی کوئی آکھے چک
سچی گل محمد بخشا اندروں گئی اے مک!

امریکا کو اس کیفیت میں مبتلا دیکھ کر روس نے لگے ہاتھوں شوخی میں آ کر یہ نہایت خطرناک اقدام کر ڈالا ہے جس پر دنیا لرزہ براندام ہے۔ نائن الیون سے بڑا عالمی بحران اٹھ کھڑا ہوا ہے۔ امریکا نیٹو کے سر پر یہ تلوار لٹک رہی ہے کہ اگر روس یوکرین پر قبضہ کرنے یا اسے غیر مستحکم کرنے میں کامیاب ہوگیا تو پورا یورپ بدل جانے کا اندیشہ ہے۔ اس سے امریکا کے لیے نئے دور کا آغاز ہوگا۔ یاد رہے کہ یہ براہ راست تصادم کی سی کیفیت میں آمنے سامنے کھڑی، ایٹمی طاقتیں ہیں۔ روسی پیش قدمی نے یکا یک عالمی نظام الٹ دیا، تتر بتر کر دیا ہے۔

صلیبی جنگ کے نشے میں بش اور امریکی تھنک ٹینکوں کی 2001ء کے بعد کی بڑھکیں اور خدائی کی دعویداری رہی۔ اب روسی ٹینکوں کے یوکرین میں قدم رکھتے ہی پچھلا ورلڈ آرڈر درہم برہم ہوگیا، تنازعہ گمبھیر ہے۔ ایک لطیفہ یہ ضرور ہے کہ ملالہ یوسف زئی نے روس سے کہہ دیا ہے کہ یوکرین پر حملے فوراً بند کرے۔ روس دیکھیے اب کیا کرتا ہے! ادھر ہم بھی عین اس گھڑمس میں روس جا پہنچے۔ وزیر اعظم نے اسلام آباد میں روسی چینل کو انٹرویو دیا کہ ہم کسی بلاک کا حصہ نہیں بنیں گے۔ یہ بھول گئے کہ ہم مغرب کی غلامی میں آئی ایم ایف کی زنجیر سے بندھے چل رہے ہیں۔ ایف اے ٹی ایف کی طرف سہمے ہوئے دیکھ رہے ہیں۔ روس ہمارا اس وقت کیا سنوارے گا جو حالت جنگ میں ہے، خود اپنے 80 ارب ڈالر منجمد کروا بیٹھا ہے۔ روس کے لیے بھی یہ جنگ اس کی امیدوں کے برعکس اتنی سہل نہیں۔ آسٹریلیا نے بھی روس پر پابندیاں عائد کر دی ہیں۔ تاہم وزیر اعظم اس دورے سے ہمارے لیے 20 لاکھ ٹن گندم کی خریداری کا سامان کر آئے ہیں۔ روٹی جس دن سستی ہوگی تو گویا وہ دورے کی کامیابی کا دن ہوگا عوام کے نزدیک! حکمران تو کیک کھانے والے ہیں درآمد شدہ! یوکرین میں دس لاکھ مسلمان ہیں۔ یوکرینی صدر اسرائیل نواز پکا یہودی ہے۔ اس کی اسرائیل نوازی فلسطین دشمنی پر مبنی ایک کلپ گردش میں ہے۔ سو ہمارے نزدیک تو اُمت کی سطح پر: اللّٰھم اھلك الظالمین بالظالمین واخرجنا منھم سالمین غانمین ''یا اللہ! ظالموں کو باہم دگر (لڑا کر) ہلاک کرا اور ہمیں ان کے بیچ سے سالم غانم، غنیمت (صورت افغانستان) لے کر نکلنے والا بنا دے!''

یہی روس ہے جس نے 2015ء سے آج تک بشار الاسد کے ساتھ مل کر شام کے مظلوم ومقہور مسلمانوں پر قیامتیں ڈھائیں۔ شامی عمارات کھنڈرات میں تبدیل کر دیں۔ ہر سال بالعموم اور اس سال بالخصوص عورتوں بچوں نے خیموں میں برف اور برف زدہ پانی میں ٹھٹھرتے زندگی موت کے درمیان معلق وقت گزارا۔ یوکرین پر پورا گلوب تھرا اٹھا، شام پر نگاہ اٹھا کر بھی دیکھنا گوارا نہ ہوا! دنیا کا میڈیا بھی بے رحم، قساوتِ قلبی کا مریض مسلمانوں پر گونگے کا گڑ کھا کر بیٹھا رہتا ہے۔ شامیوں کی آہیں کراہیں روس کو آتش بداماں کر سکتی ہیں۔ سیدنا حضرت علی ؓ کا فرمان: ''میں نے اللہ کو اپنے ارادوں کے ٹوٹنے سے پہچانا!'' آج دنیا کے بڑے بڑے چودھریوں، جغادریوں کے ارادے چکنا چور ہوئے پڑے ہیں۔ اللہ کو پہچاننے والی بصارت وبصیرت سے محروم ٹک ٹک دیدم دم نہ کشیدم بیٹھے ہیں!

پاکستان میں مارچ کے مہینے کو اسم بامسمّیٰ بنا کر ہمہ نوع مارچ تیار ہے۔ قوم بھوک افلاس کی ماری شدید کمزور حافظے کی مالک ہے۔ نہ اسے یہ یاد رہتا ہے کہ جو پچھلے والے نئے بن بن کر سامنے آ رہے ہیں ان کے ادوار میں کون سی دودھ شہد کی نہریں بہہ رہی تھیں۔ یوں بھی نئی حکومت تختہ الٹ کر بنا بھی دی گئی تو معیشت جس طرح ادھڑی پڑی ہے اس کے سنوار کا نسخہ کسی کے پاس نہیں۔ سمجھ لیجیے کہ تقاریر میں ''یہ کر دیں گے، وہ کر دیں گے'' سنانے ہی کے لیے جلسے سجائے جاتے ہیں۔ عوام الناس کی حقیقی ہمدردی، دردمندی، دلسوزی کے بیش بہا مناظر لٹے پٹے افغانستان میں ہیں۔ وہاں اپنے پیٹ پر پتھر باندھ کر جیسے تیسے عوام کی ضروریات پوری کرنے والے حکمران نظر آتے ہیں۔ وہ امریکا کو بھی تنقید کر کے یہاں سے لے جا کر امریکا نواز، امریکی ترجمان افغانوں کی کس مپرسی پر اسے متوجہ کر رہے ہیں۔ (باوجودیکہ یہ طالبان کے بدترین دشمن افغان تھے!) ہمارے ہاں حکومتیں صرف وزیروں کے دن پھیرنے کو بنتی ہیں، عوام سے انہیں کیا سروکار۔ عوام تالیاں پیٹتے صرف جلسوں کی رونق بڑھاتے ہیں۔ خوش گمان اتنے کہ ؎

ان کے ہاتھوں پہ اگر خون کے چھینٹے دیکھیں
مصلحت کیش اسے رنگِ حنا کہتے ہیں!

یہی رنگِ حنا کل تک امریکا یورپ کے ہاتھوں پر تھا۔ اب روس کی باری ہے! ہم سبھی کے جھولی چک ہیں! دنیا کے بیشتر حکمرانوں کے ہاتھ حنائی ہیں!

❁❁❁

ضرورت رشتہ

☆ ملتان میں رہائش پذیر آرائیں فیملی کو اپنی بچی، عمر 45 سال کے لیے 50 سال تک کے دیندار، برسر روزگار شخص کا رشتہ درکار ہے۔

برائے رابطہ: 0314-6111722

☆ لاہور میں رہائش پذیر ملتزم رفیق، عمر 36 سال تعلیم کیمیکل انجینئرنگ، قد "5'.8 کو عقد ثانی (پہلی بیوی سے بوجہ علیحدگی) کے لیے دینی مزاج کی حامل لڑکی کا رشتہ درکار ہے۔

برائے رابطہ: 0333-8498494

☆ ملتان میں رہائش پذیر فیملی کو اپنی بیٹی، رفیقہ تنظیم، عمر 22 سال تعلیم بی ایس، قد "4'.10، صوم وصلوٰۃ کی پابند، امور خانہ داری میں ماہر کے لیے تنظیم سے منسلک باشرع و نیک لڑکے کا ملتان سے رشتہ درکار ہے۔

برائے رابطہ: 0303-6702771

Western civilization: A threat to Muslim culture

The Muslim countries have had been trapped in following the political and economic systems of the West for a while now. Their social and cultural system, which had been relatively secure in the past, is now feeling threatened by western civilization. Unfortunately, the majority of Muslim men and women are aloof from the Islamic commandments of modesty. Ironically, by blindly following the hollow slogans of 'absolute freedom' we have not only compromised our basic beliefs but also become dishonored in the entire world. Allah has given Muslims a formal social system in the Holy Qur'an, which is an integral part of our Deen, and the Islamic civilization remained erected on that foundation for almost fourteen centuries.

A Muslim society cannot afford to mirror the Western civilization and be disloyal to the social system of Islam. Islam declares that modesty and faith are synchronous, and it logically follows that if immodesty prevails, then real faith cannot exist. The cohorts of Satan want us to go astray from the path to our real destination by trying their utmost to make us forsake Iman. Western NGOs and institutions are using evil ploys in the name of the so-called 'freedom' of women and if we fall into their trap then our society will be wrecked like that of the West. While there is no difference between men and women in terms of the characteristic of being human, however, each has been assigned a separate role. The Western civilization disintegrated that system and men and women started interfering in the designated roles of each other, leading to an unnatural pathway to the apportionment of rights and duties. The family system of the West has been demolished and now they have turned all attention and efforts towards trying their utmost to destroy the family system in Muslim countries using social engineering programs and other deceptive slogans in order to impose immodesty, immorality, and vulgarity in Muslim societies. It is, thus, imperative for us to become modest and virtuous ourselves and strive our utmost to ensure that women are given all the rights endowed upon them by Islam. We ought to make Nikah easy and simple and strengthen our family system. The Qur'an identifies Muslims as the best among nations because Muslims perform the duty of enjoining good and forbidding evil. It is, therefore, our religious obligation to become an impenetrable wall against the onslaught of vulgarity and immodesty to be eligible for the pleasure of Allah in this world and in the Hereafter.

Source: *Derived from the press release statements given by the Ameer of Tanzeem-e-Islami, Shujauddin Shaikh.*

Original link:
https://www.theasianmirror.com/western-civilization-a-threat-to-muslim-culture/

حیا ایمان کا حصہ اور انسان کا فطری جذبہ ہے

دین اسلام مکمل ضابطۂ حیات ہے جو زندگی کے انفرادی اور اجتماعی تمام گوشوں کے ساتھ خاص طور پر سماجی سطح پر ایک صالح معاشرہ کے قیام کے لئے بھر پور رہنمائی عطا کرتا ہے۔ بدقسمتی سے مغربی تہذیب کی نقالی نے ہمارے معاشرہ کو اسلامی ہی نہیں مشرقی اقدار سے بھی دور کر دیا ہے۔ اسلامی معاشرہ کے قیام کے لیے درج ذیل اقدامات لازمی ہیں:

1۔ ستر و حجاب کے اسلامی احکامات کی پابندی کرتے ہوئے باوقار لباس کا اہتمام کیا جائے۔

2۔ قرآن کریم کے حکم کے مطابق مرد و عورت دونوں نگاہوں کی حفاظت کا اہتمام کریں۔

3۔ مخلوط محافل سے اجتناب اور شرعی پردہ کا اہتمام کیا جائے۔

4۔ عورت، جس کا ایک اہم کردار ماں کا ہے، اُسے باوقار حیثیت دی جائے، تجارت کی افزائش کے لیے اشتہاری شے نہ بنایا جائے۔

5۔ مین سٹریم اور سوشل میڈیا فحاشی کی تشہیر میں سرفہرست ہیں۔ لیکن جب اِس کے نتیجہ میں کوئی بے راہرو انسان کسی بچی کے ساتھ درندگی کا مظاہرہ کرتا ہے تو یہی میڈیا چیخ و پکار کرتا ہے۔ گویا اصلاً میڈیا کی اصلاح انتہائی ضروری ہے۔

6۔ جنسی اشتہا پیدا کرنے والے اشتہارات پر پابندی عائد کی جائے کیونکہ یہ جسمانی اور روحانی حادثوں کا باعث بنتے ہیں۔

7۔ تعلیمی اداروں میں مخلوط تعلیم ختم کر کے طلبہ و طالبات کی الگ الگ تعلیم کا اہتمام کیا جائے۔

8۔ نکاح کو آسان بنایا جائے تاکہ نوجوانوں میں بے راہ روی پیدا نہ ہو۔

9۔ جسم عورت کا ہو یا مرد کا اللہ تعالیٰ کی امانت ہے، اس پر مرضی بندہ کی نہیں، رب کی چلنی چاہیے۔

10۔ قرآن وسنت سے متصادم عائلی قوانین کو فی الفور منسوخ کیا جائے۔

درحقیقت حیا وقار کی علامت ہے۔ بے حیا قوم بالآخر بے وقعت اور پستی کا شکار ہو جاتی ہے۔ عوام کی ذمہ داری ہے کہ ذاتی حیثیت اور اپنے دائرہ اختیار میں دین اسلام کی عطا کردہ تعلیمات پر عمل پیرا ہو کر شرم و حیا کی حفاظت کریں۔ حکومت کا فرض ہے کہ آئین کے آرٹیکل 31 کے مطابق پاکستان کے مسلمانوں کو ایسی سہولتیں فراہم کرنے کے لیے اقدامات کرے جن کی مدد سے وہ قرآن پاک اور سنت رسول ﷺ کے مطابق زندگی گزار سکیں تاکہ ایک صالح معاشرہ قائم ہو اور حیا اور ایمان کی حفاظت ہو سکے۔

مرکز تنظیم اسلامی، 23 کلو میٹر، ملتان روڈ، چوہنگ لاہور
فون: 78-35473375 (042)
Email:markaz@tanzeem.org
www.tanzeem.org

Vol. 31 Regd. C.P.L NO. 114 No.10

Weekly **Nida-e-Khilafat** Lahore